© rasailojaraid.com

ڈاکٹر اشفاق حسین بخاری

خطوط بنام بشیر محمود اختر

علامہ سلیمان ندوی[۲]

(۱)

کراچی ۵

چمن سٹریٹ، ڈار منزل

مکرمی، السلام علیکم ورحمتہ اللہ

یاد فرمائی اور حسنِ ظن کا شکریہ۔ آپ کے سوالوں کے مختصر جواب لکھتا ہوں:

۱۔ اس زمانے میں اسلام کی سربلندی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اسلام کے صحیح عقیدے اور عمل پر پوری طرح عمل پیرا ہوں، اپنے اخلاق و عادات اور اعمال اسلام کے مطابق بنائیں اور اس کے علاوہ اور بلندی کے لیے وہ صبر و ثبات، جدوجہد اور عمل و استقامت دکھائیں جو بلند مقاصد کے لیے ضروری ہیں۔

۲۔ میرا نظریۂ ادب یہ ہے کہ وہ اجتماعِ بشری کے لیے مفید ہو۔

۳۔ اسلام میں یورپین جمہوریت نہیں ہے لیکن اس جمہوریت کا جو مقصود و منشا ہے، یعنی مساواتِ حقوق اور مشاورتِ باہمی اور انصاف، وہ اسلامی اصولِ سلطنت کا اصل منشا ہے۔

والسلام

۱۲/ جون ۱۹۵۲ء سید سلیمان ندوی

مولانا عبدالمجید سالک[۳]

(۱)

عقب ریڈیو سٹیشن کراچی

۱۶۔ اپریل ۵۳ء

مکرمی، السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا۔

۱۔ میرا نظریۂ ادب یہ ہے کہ وہی ادب اچھا ہے جو زندگی کو حسین اور عظیم بنانے میں مدد دے۔ ادب کے دو ہی پہلو ہیں، جمالیاتی اور افادی۔ محض جمالیاتی خوبی سے ادب مکمل نہیں ہوتا، جب تک اس کی کوئی افادی حیثیت نہ ہو اور محض افادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت سے اچھی تحریریں جو جمال سے خالی ہوں، ادب نہیں کہلاسکتیں۔ ان کو صحافت، خطابت وغیرہ تو کہا جاسکتا ہے، ادب تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ''ادب برائے ادب'' بے معنی بات ہے۔

۲۔ مُتحدِہ مُسَوَّدَہ عَنقا تطویل

۳۔ Trustworthy کا ترجمہ ''قابل اعتبار'' اور Reliable کا ''قابل اعتماد'' میرے خیال میں درست رہے گا۔

میری صحافتی زندگی دنیا کے سامنے ہے، میرے لکھنے کی کیا گنجایش باقی رہ گئی ہے۔ ۱۹۰۹ء سے شاعری شروع کی۔ ۱۹۱۴ء سے مضمون نویسی اور رسالہ ''فانوسِ خیال'' کی ادارت۔ ۱۹۱۵ء کے آخر میں ''تہذیب نسواں'' اور ''پھول'' کا معاون مدیر مقرر ہوا۔ ۱۹۲۰ء کے اپریل میں ''زمیندار'' کا ایڈیٹر بن گیا۔ ۱۹۲۷ء کے اوائل میں ''انقلاب'' جاری کیا اور ستمبر ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔

موجودہ اشغال بہت محدود ہیں۔ پاکستان اور اس کے باشندوں کی فکری خدمت میں مصروف ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ ظاہر کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔

شاعری مدت ہوئی، ختم ہو چکی۔ ادب کے میدان کو اُسی وقت چھوڑ دیا تھا، جب صحافت اختیار کی تھی۔ اب صحافت بھی ختم ہے۔

میری خود نوشت سوانح عمری ''سرگزشت'' کے نام سے عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

عبدالمجید سالک

(۲)

مسلم ٹاؤن لاہور

۲۷ جون ۱۹۵۴ء

مکرمی، السلام علیکم

اشد مصروفیت کی وجہ سے آپ کے کارڈ کا جواب جلد نہ لکھ سکا، معافی کا خواستگار ہوں۔

۱۔ موٹر۔ انگریزی لفظ کی تذکیر و تانیث اُردو میں معتبر نہیں لیکن میرا مسلک یہ ہے کہ موٹر مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوسکتا ہے۔

دلّی۔ شہر کی حیثیت سے مذکر اور روایات تمدن و ثقافت کے اعتبار سے مونث۔ دلی اجڑ گئی، بادشاہوں کی دلی، اولیاء کی دلی، شعراء کی دلی۔ ذوقِ سلیم بہتر رہنما ہے کہ اس کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ کرے۔

قلم۔ بالاتفاق مذکر ہے، گو بعض قدیم شعرائے اُردو نے اس کو مؤنث بھی باندھا ہے۔

آغوش میرے نزدیک مونث بہتر ہے، گو استعمال دونوں طرح ہوتا ہے۔

قیص اور پرہیز۔ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔

یہ آپ آج کل کے زمانے میں تذکیر و تانیث بے جان کے چکر میں کیوں پڑ گئے؟ اب تو یہ باتیں چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتیں۔

۲۔ اقبال کے شعر میں ''حقیقتِ منتظر'' اس انسان کامل سے مراد ہے جو صفاتِ خداوندی کا مظہر ہوگا اور جو اقبال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزدیک ترقی وارتقا کی منزلیں طے کرنے کے بعد کسی وقت ظہور پذیر ہوگا۔ یہ محض ایک متصوفانہ تصور ہے۔ صوفیہ نے اکثر حقیقت کو مجاز کی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

۳۔ میں کیا اور میرے اشعار کیا! اس وقت کوئی ایسا شعر یاد نہیں آتا جو میرے نزدیک پسندیدہ ہو۔

سالک

(۳)

مسلم ٹاؤن لاہور

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء

مکرمی، السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ میں نے کبھی ادب کی تعلیم پر تفصیلی غور نہیں کیا، البتہ یہ میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ طلبہ سالہا سال تک اُردو میں تعلیم پانے کے باوجود صحیح اُردو میں خط بھی نہیں لکھ سکتے لیکن انگریزی میں تقریر و تحریر کی خاصی مہارت پیدا کر لیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُردو اور انگریزی ادب کی تدریس میں خاصا تفاوت ہے اور جب تک ادبِ اُردو کی تدریس کا انتظام کم از کم انگریزی کے برابر نہ کیا جائے گا، موجودہ صورت بدستور رہے گی۔

آپ نے جو سوالات پیش کیے ہیں، ان کا جواب ماہرین تعلیم سے حاصل کیجیے۔ اس کے علاوہ ''ادب'' ایک بہت وسیع اصطلاح ہے۔ جب تک اس کا مفہوم معین نہ ہو، تفصیل سے رائے نہیں دی جا سکتی۔

عبدالمجید سالک

(۴)

چند سطور لکھ کر بھیجتا ہوں، آٹوگراف اور یادگار کے طور پر۔

میری رائے آپ کے اشعار کو دیکھنے کے بعد یہ ہے کہ آپ محنت اور مطالعے سے بہت اچھے شاعر ہو سکتے ہیں۔ زیادہ تر اساتذۂ قدیم اور غالب و اقبال، حسرت موہانی کا کلام زیر مطالعہ رکھنا چاہیے۔ غزل کے لیے ابتدا میں سادہ مصرع طرح منتخب کرنا چاہیے جس میں فکر کرنا آسان ہو اور ہر غزل میں پندرہ بیس شعر کہنے چاہئیں تاکہ مشق بھی ہو اور بعد میں اُن میں سے ۵۔۱۲ اچھے اشعار منتخب بھی کیے جا سکیں۔

شعر کہتے وقت الجھاؤ سے بچنا چاہیے۔ شاعر کا مطلب بالکل سلجھاؤ کے ساتھ واضح ہونا چاہیے۔ مطلع موجودہ صورت میں بے معنی ہے۔ دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بھی مطلب کو واضح نہیں کرتا۔ باقی اشعار صاف ہیں۔

سالک

(۵)

تخلیق و تنقید

آج کل بعض ایسی بحثیں چھڑ رہی ہیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، مثلاً تخلیق اور تنقید دونوں میں سے کون سی چیز اہم ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ تخلیق اصلی اور بنیادی چیز ہے، تنقید بعد کی پیداوار ہے۔ دنیا میں کوئی ادب آج تک تنقید سے نامور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوا۔ تخلیقات ہی اس کی ناموری کا باعث ہوتی رہی ہیں۔ ایک زمانہ تھا، جب تخلیق اپنے منتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی حالانکہ تنقید کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔

تخلیق سونا ہے، تنقید کسوٹی۔ سونا نہ ہو تو کسوٹی بے کار پتھر ہے اور اگر سونا ہو تو پھر بھی وہ کسوٹی سے زیادہ بیش بہا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں تنقید کی اہمیت سے انکار کر رہا ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تخلیق اور تنقید کو ایک دوسرے کا مدِ مقابل قرار دینا بد ذوقی ہے۔ تنقید کے محاسن وفوائد پر الگ بحث ہونی چاہیے۔

مسلم ٹاؤن، لاہور
عبدالمجید سالک

۲۰ جولائی ۱۹۵۸ء

آپ کی سانیٹ اچھی ہے۔ کسی خاص اصلاح کی ضرورت نہیں

سالک

(۶)

پیغام بہ سلسلہ یومِ اقبال (۱۱؍اپریل ۵۹ء)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر وطن اور وطنیت کے مروجہ تصور کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا ہے۔ بعض بے خبر لوگ اس سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ علامہ ممدوح وطن پروری کے مخالف ہیں۔ حالاں کہ کوئی صحیح الدماغ انسان وطن اور اس کی محبت وخدمت کا مخالف نہیں ہو سکتا۔

وطنیت کے موجودہ تصور نے یورپ میں انسانیت کبریٰ کے جس نظریۂ عالی کو تباہ کر کے انسانوں کو انسانوں کے خلاف محض رنگ ونسل اور مقامیت کی بنا پر باہم آویزی کی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، اُس نظریے کی حفاظت ہر انسان کا فرضِ عین ہے لیکن اپنے وطن سے وابستگی اور اس کی خدمت ومحبت تو ایک فطری جذبہ ہے۔ اس سے کون بے گانہ رہ سکتا ہے؟

علامہ اقبال کے کلام میں جابجا افغانوں کو افغان ہونے کی حیثیت سے اور ترکوں کو ترک ہونے کی حیثیت سے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے غیرت دلائی ہے جس سے ان کا تصور وطن پروری واضح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کو علامہ اقبال کی زندگی میں کوئی وطن نصیب ہی نہ تھا جس سے وہ والہانہ وابستگی کی تلقین فرماتے لیکن جب پاکستان قائم ہو گیا تو مسلمانوں کو اپنا وطن مل گیا۔ اب اس وطن پر جان قربان کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے اور اس کی محبت کو جزوِ ایمان قرار دینا اشد ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم وطن پروری کے جذبے کے ساتھ انسانیت کبریٰ کے بھی محافظ وخیر خواہ ہیں اور خصوصاً دنیائے اسلام کے ایک ایک حصے کے ساتھ ہماری برادرانہ وابستگی فطری وطبعی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر پاکستانی اپنے وطن کو اپنے دین مقدس کی طرح عزیز رکھے اور اس کے لیے جان ومال کی انتہائی قربانی کے لیے تیار رہے۔ علامہ اقبال کے متعلق یہ غلط فہمی ہمیشہ کے لیے دور ہو جانی چاہیے کہ وہ وطن اور وطن پروری کے مخالف تھے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو پاکستان کے ساتھ جو خود انھی کے تصور وتخیل کا شاہکار ہے، انتہائی محبت ووابستگی کا ثبوت دیتے۔

عبدالمجید سالک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مولوی عبدالحق [۵]

(۱)

انجمن ترقی اُردو پاکستان

۱۷ رجون ۱۹۵۲ء

ہسپتال روڈ، کراچی۔۱

مکرمی قاضی اختر صاحب سلمہ اللہ

آپ کا خط پہنچا۔ آپ نے جن الفاظ میں میرا ذکر فرمایا ہے، میں اسے آپ کے حسن ظن پر محمول کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اُردو کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتا ہوں اور بس اور اس کی ترقی و اصلاح کے لیے اپنی سی کوشش کیے جاتا ہوں۔

ہماری قومی زبان میں ترقی کے بے حد امکانات ہیں اور اس میں اس کی بے پایاں صلاحیت ہے مگر افسوس کہ اس مناسبت سے اس کے لیے سامان اور سرمایہ میسر نہیں۔

بہرحال ہمارا یہ فرض ہے کہ جہاں تک ہمارے امکان میں ہے، اس کی ترقی و اشاعت کے لیے کوشش کرتے رہیں کیونکہ میری رائے میں اُردو کی خدمت فی الحقیقت پاکستان کی خدمت ہے۔

میں خط کا جواب دینا فرض سمجھتا ہوں اور ہر خط کا جواب دیتا ہوں۔ آپ کو اس کے لیے ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی، اس لیے واپس کرتا ہوں۔

خیر طلب
عبدالحق

(۲)

کُل پاکستان انجمن ترقیٔ اُردو

۲ رنومبر ۱۹۵۸ء

اُردو روڈ، کراچی۔۱

مکرمی، السلام علیکم

آپ نے دو سوال کیے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ''مدارس میں اُردو ادب کی تعلیم کے مقاصد کیا ہونے چاہئیں''۔

سب سے بڑا مقصد اُردو ادب کی تعلیم کا یہ ہے کہ طلبہ میں ادب کا صحیح ذوق پیدا کیا جائے، قومی زبان کی اہمیت اور ضرورت طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اور بتایا جائے کہ ہماری زندگی میں اس کا کیا درجہ ہے اور ہمارے ادب نے ہماری تہذیب و تعلیم اور معاشرت میں کیا کام کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا سوال۔ ''اُردو ادب کی تعلیم کن اصولوں اور ضابطوں کے تحت دی جائے''...... ہر ادب کی تعلیم کے اصول ایک ہی سے ہوتے ہیں، اُردو ادب کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اس تعلیم میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھا جائے۔ ایک تو یہ کہ طالب علموں میں اپنے خیالات صحیح اور اچھی زبان میں ادا کرنے کی صلاحیت بیدار ہو جائے۔ دوسرے جن ادیبوں نے زبان و ادب کے بنانے اور ترقی دینے میں جو خاص اور ممتاز کام کیا ہے، اسے سمجھایا جائے، ان کے طرزِ تحریر کی خصوصیات سے بحث کی جائے اور ان کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی جائے جو طالب علموں کی سمجھ میں آ جائے۔ اُن کو ایسی کتابیں پڑھنے کا بھی مشورہ دیا جائے جن کے مطالعے سے نہ صرف صحت کے ساتھ لکھنے کا اسلوب آ جائے بلکہ وہ ادب کی خوبیوں کو سمجھنے لگیں۔ ان کو مختلف قسم کے ادب اور اس کے ارتقا سے بھی آگاہ کیا جائے۔

عبدالحق

(۳)

All Pakistan Anjman Taraqqi-i-Urdu
Urdu Road
Karachi-1

۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء

مکرمی، تسلیم

آپ کا مکتوب بابائے اُردو کے ملاحظے میں پیش کیا گیا۔ ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید ایک عربی لفظ ہے جس کے لفظی معنی چھاننے کے ہیں لیکن اصطلاح میں کلام کے حسن و قبح کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔

تخلیق کے لفظی معنی پیدائش کے ہیں اور آج کل کے نئے لکھنے والوں نے اسے طبع زاد، نئے خیالات وغیرہ کے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ دونوں ہم معنی لفظ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ اگر تنقید میں کوئی جدت اور نیا پن ہو تو اسے تخلیق کہہ سکتے ہیں لیکن ہر تخلیق تنقید نہیں ہوتی۔ ... مثلاً اب تو ہر غزل اور نظم کو تخلیق کہا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ دونوں لفظ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ والسلام

نیاز کیش

اسرار احمد

منجانب بابائے اُردو

بخدمت شریف

جناب بشیر محمود اختر

(ایم اے کلاس، شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلوک چند محروم[6]

(۱)

مکان نمبر ۸۸۲۸
نیا محلہ، پل بنگش، دہلی

مکرمی تسلیم

آپ کا عنایت نامہ مورخہ یکم جولائی مل گیا تھا۔ تعمیلِ ارشاد میں چند شعر حاضر ہیں۔ تاخیر کے لیے معافی کا خواست گار ہوں۔

۲۵/۷/۵۲

نیاز مند
تلوک چند محروم

مطلع

خلوتِ ناز میں اُٹھ اُٹھ کے سنورنے والے
مرگئے حسرتِ دیدار میں مرنے والے

دیگر

دلِ شیدا کی خطا کیا ہے جو دیوانہ ہے
آنکھ اٹھتی ہے جدھر وہ ہی پری خانہ ہے

شعر

نہ قیام فطرتِ حسن میں، نہ قرار قدرتِ عشق میں
دلِ بے قرار تپیدنی، بتِ عشوہ کار رمیدنی

دیگر

انجامِ حسنِ گل پہ نظر تھی وگرنہ کیوں
گلشن سے آہ بھر کے نسیمِ سحر گئی

دیگر

آہوئے تشنہ اور فریبِ سرابِ دشت
انسان اور عیشِ گریزانِ زندگی

رباعی

ہر حلقۂ زلفِ عنبریں دھوکا ہے
ہر عشوۂ چشمِ سرگیں دھوکا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں زشت و زبوں تمام دھوکے لیکن
کہتے ہیں جسے حُسن، حسیں دھوکا ہے

(۲)

مکان نمبر ۸۸۲۸
نیا محلہ، پل بنگش، دہلی
۷؍دسمبر ۵۴ء

ڈیئر اختر صاحب

دعا

آپ کے سوالات کا جواب عرضِ ذیل ہے:

(۱) محروم تخلص اختیار کرنے کی کوئی خاص وجہ یا واقعہ نہیں۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ طبیعت لڑکپن ہی سے غم پسند واقع ہوئی تھی۔ غم پسند کہنا غالباً درست نہیں کیونکہ غم کو کون پسند کرتا ہے؟ یوں کہہ سکتے ہیں کہ رقت اور سوز و گداز کا عنصر ضرورت سے زیادہ تھا۔ پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا جب یہ تخلص اختیار کیا۔ میٹرک میں پہنچ کر بدلنا چاہا، اس کی جگہ پرواز رکھا لیکن منشی دیانرائن نگم ایڈیٹر ''زمانہ'' کان پور نے نہ بدلنے دیا اور یہ گلے کا ہار ہو کر رہ گیا۔

(۲) شاعری کا آغاز بچپن ہی میں ہو گیا۔ تیسری جماعت میں پڑھتا تھا کہ ''مجموعہ قصص'' منظوم قصوں کی کتاب کہیں سے مل گئی۔ اس کے مطالعے کے بعد خود بخود موزوں مصرعے زبان پر آنے لگے[۷] چونکہ اُردو مادری زبان نہ تھی، اس لیے زبان کی لغزشیں ہو جاتی تھیں۔ بارش پر ایک مثنوی لکھی تھی، اس میں ایک شعر۔

الٰہی! تری مہربانی ہوئی
کہ ساری زمیں پانی پانی ہوئی

یہ شعر غالباً پانچویں جماعت کا ہے۔

ساتویں جماعت میں ملکہ وکٹوریہ کا نوحہ لکھا۔ اُس میں یہ شعر تھا[۸]

فرطِ غم سے غنچے چپ ہیں، گل گریباں چاک ہیں
نوجوانانِ چمن بھی سر پہ ڈالے خاک ہیں

(۳) میری نظموں میں سے ''نور جہاں کا مزار'' بہت مقبول رہی ہے۔ سب اسی کی تعریف کرتے ہیں۔ مجھے بھی زبان خلق سے متفق ہونا پڑتا ہے۔ یہ نظم میں نے ۱۹۰۸ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد لاہور سنٹرل ٹریننگ کالج میں لکھی تھی۔[۹]

خیر اندیش

تلوک چند محروم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳)

D-2,A-60,
Ring Road,
Moti Bagh, New Dehli
13.10.59

ڈیئر اختر صاحب تسلیم

نظم ''نور جہاں'' کی تاریخ کے متعلق پروفیسر سلیم صاحب نے[1] بجا کہتے ہیں۔ میں ۰۸۔۱۹۰۷ء کے سیشن میں ٹریننگ کالج میں تھا۔ اپریل ۱۹۰۸ء میں کالج سے فارغ ہو کر ڈیرہ اسمٰعیل خان مشن سکول میں ملازم ہو گیا۔ یہ نظم وہاں ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں موزوں ہوئی، تاثرات لاہور ہی سے لے کر گیا تھا۔ اگر آپ نے یہ تحریر دیکھی ہے کہ نظم ٹریننگ کالج کے زمانے میں موزوں ہوئی تو اسے سہو سمجھیے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا کہ میں نے کبھی ایسا لکھا ہو۔ ممکن ہے میرے لڑکے جگن ناتھ آزاد نے کسی مضمون میں بلا تحقیق لکھ دیا ہو۔

پروفیسر سلیم فارانی صاحب سے واقفیت کے متعلق اپنے بوڑھے حافظے پر بہت زور دیا لیکن کچھ یاد نہ آیا۔ ممکن ہے وہ اپنے اسکول یا کالج کے وقت سے مجھے جانتے ہوں۔ اُن کو میرا اسلام پہنچا دیجیے۔

حسب الارشاد چند شعر حاضر ہیں:

بہت پُرانا
رہے گی حاجتِ شرحِ جفا نہ محشر میں
اسی ادا سے جو تم سامنے خدا کے چلے

زمانہ طالب علمی ٹریننگ کالج
گیا دل سے اب خوفِ روزِ جزا
قیامت تری چال میں آ گئی

تازہ
یہی جرمِ محبت کی سزا ہے
کسی کے ہجر میں جینا پڑے گا

آہوئے تشنہ اور فریبِ سرابِ دشت
انسان اور عیشِ گریزانِ زندگی

(۴)

D-2, A-60,
Ring Road, Moti Bagh,
New Delhi
27.2.60

عزیزم، تسلیم

بحوالہ عنایت نامہ مورخہ ۲۱ر فروری عرض ہے کہ میں نے ادب پر کبھی فنی یا تنقیدی نظر نہیں ڈالی۔ آپ کے سوالوں کے جواب اپنے تجربے کی بنا پر مختصراً عرض کیے دیتا ہوں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) ادب کے عام مقاصد اور تدریسی ادب کے مقاصد میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا، البتہ ان کے مدارج میں ضرور فرق ہے۔ تدریسی ادب کا مقصد ادب کے مقاصدِ اعلیٰ کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ مقاصد دونوں کے کم و بیش یہ نظر آتے ہیں:

الف۔ ذوقِ سلیم کی تربیت

ب۔ اعلیٰ اقدارِ انسانیت سے آگاہی

ج۔ فکر و نظر اور تخیل کی وسعت اور رفعت

د۔ ذہنی تفریح

(۲) اُردو ادب کی تدریس میں سب سے ضروری امر نصاب کی موزوں تدریج اور ترتیب ہے، یعنی آسان سے مشکل کی طرف، مثلاً اگر آپ غالب پڑھانا چاہتے ہیں تو طلبا کو شروع ہی میں ''نقشِ فریادی'' کی بھول بھلیوں میں نہ ڈال دینا چاہیے۔ اس سے بسم اللہ ہی غلط ہو جائے گی اور طلبا کا غالب سے بیزار ہو جانا غیر متوقع نہ ہوگا۔

اسباق کو زیادہ سے زیادہ دل چسپ بنانا ضروری ہے، محض مشکل الفاظ کے معنی بتا دینا یا اشعار کی معمولی تشریح کر دینا دل چسپی پیدا نہیں کر سکتا۔ ادبی حکایات، لطائف و ظرائف، صنائع بدائع کی تشریح وغیرہ سے اسباق کو دل چسپ بنایا جا سکتا ہے۔

ابتدائی درجوں میں اخلاق، نیچر، پند و نصائح (شگفتہ طرز پر، مثلاً گلستانِ سعدی) مزاح، تاریخی واقعات، سوانح حیات، افسانے (رومان کے بغیر) نصاب میں شامل ہونے چاہئیں (مولوی محمد حسین آزاد کی تصنیفات میں بہت کچھ موجود ہے۔)

نظم میں متقدمین اور متاخرین کے دواوین[11] میں بہت کافی مواد موجود ہے۔ ان کا انتخاب بھی ضرور شامل رہے تا کہ قدیم ادب سے جدید کا رشتہ نہ ٹوٹے۔

نیاز مند

تلوک چند محروم

اثر لکھنوی[12]

(۱)

کشمیری محلہ، لکھنؤ

۱۲۔ جولائی ۵۲ء جنابِ والا

اثر کی قدر افزائی کا شکریہ۔ ''نگار'' کے خاص نمبر میں حسرت پر میرا مقالہ بھی شامل ہے، اس سے نقل کر لیجیے۔ اسی موضوع پر تازہ مضمون لکھنا میرے امکان میں نہیں۔ فرمائش کی تعمیل میں اپنے چند اشعار درج کرتا ہوں:

زندگی ہے اب ایک انگڑائی
تیرے توڑے خمار کے مانند
اس نے جو دامن ناز سے جھٹکا
ساغر نکہتِ گل نے پٹکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت میں ایسا بھی اک وقت آیا
جھپکتے پلک ہی اس کی جی سنسنایا

راز و نیاز کس سے ہوئے ہیں تمام رات
ملتا نہیں مزاج گلوں کا سحر کے وقت
اے پرستارِ خرد ! تو نے کبھی غور کیا
ہوش بھی ظرف کا محتاج ہے مستی کی طرح

ترا تن ہے آپ چمن چمن، کسی اور سمت نظر نہ کر
تو کنول کا پھول ہے بے خبر، سرِ دامن آب میں تر نہ کر

روح بیدار ہو جس سے وہ نظر پیدا کر
ورنہ آسودگیِ ذوقِ تماشا معلوم
ڈوبی ہوئی لہو میں جو اپنوں کے ہو اثر
اس رنگ کی بہار گلستان کو کیا کروں
بے گدازِ دل کسی کو مل نہیں سکتے کبھی
ایسے نغمے جو بدل دیں شعلوں میں آہنگ کو

(۲)

کشمیری محلہ، لکھنؤ

۱۴۔اپریل ۵۳ء مکرمی، وعلیکم السلام،

آپ کے استفسارات کے جوابات ذیل میں درج ہیں:

ا۔ میرا نظریۂ ادب یہ ہے کہ ادب تنقیدِ حیات ہے تو، مگر ان اقدار کی جو مستقل و پائیدار ہیں اور انسانی ارتقاء میں معین ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ عارضی و مستعار اور حقیقی سرگرمیوں میں امتیاز برتیں۔ بے شک! ادب ماحول سے متاثر ہوتا اور تقویت حاصل کرتا ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ ایک مختلف و بالاتر قوت خود ادیب کے دل و دماغ کی پیداوار اور برسرِ کار ہو، محض واقعات کا راستی کے ساتھ دُہرا دینا کافی نہیں ورنہ ادب ثقافت یا خطابت بن کر رہ جائے گا۔

ادب محض بیان واقعہ نہیں ہے بلکہ ان مخصوص اثرات کا مناسب الفاظ میں ارتقائی تجزیہ ہے جو ادیب کے ذہن اور جذبات پر اس مخصوص واقعے سے مرتسم ہوئے۔ علاوہ بریں ادیب کو لازم ہے کہ حیات و واردات حیات کو چند بندھے ٹکے موضوعات میں محدود نہ کر دے بلکہ تمام موجودات و محسوسات میں زندگی کی ایک توانا لہر ڈھونڈنے کی کوشش کرے اور اپنے تجربات کو پُر اثر اور دل کش الفاظ کے جلوس میں پیش کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اس معاملے میں بھی میتھیو آرنلڈ کا ہم نوا ہوں کہ جو ادب (بالخصوص شعری ادب) اخلاقیات سے بغاوت کرتا ہے، وہ زندگی سے بغاوت کرتا ہے۔ وہ ادب جو اخلاقیات کو پس پشت ڈال دیتا ہے، زندگی کو بھی پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔

۲۔ اقبال کے اندازِ بیان کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا، لکھ چکا، انداز بیان سے میرا کیا مدعا ہے، اس کی وضاحت کر دی اور کلام اقبال سے متعدد مثالیں پیش کر دیں کہ انداز بیان کی جدت وندرت تخیل کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ آپ دریافت کرتے ہیں کہ اقبال کیا کہتا ہے، اس کی وضاحت کو ایک عمر درکار ہے، کس طرح کہتا ہے، اس کی طرف میرے مضمون میں اشارہ ہے۔ اگر آپ اسے ناکافی یا ناقابل فہم سمجھتے ہیں تو میں مجبور ہوں، مزید خامہ فرسائی بھی بے سود ہوگی۔ میری استدعا ہے کہ مضمون ''چھان بین'' میں دوبارہ پڑھیے اور غور سے پڑھیے۔

۳۔ میر کا شعر۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

یعنی طبیعت کا انداز یہ کہہ رہا ہے کہ اب کے فصلِ بہار میں جنوں کا اس قدر جوش ہوگا کہ گریبان و دامن ایک ہی جھڑ اٹے میں چاک چاک ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ پہلے گریبان چاک کیا، پھر ہوش آیا کہ ابھی دامن برقرار ہے، پھر دامن چاک کیا۔ یہ انداز بیان ہی تو ہے جس نے ایک معمولی خیال کے شعر کو سہل ممتنع بنا دیا۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ مومن و آزردہ وشیفتہ نے میر کے اس شعر کو سورۂ قل ہو اللہ سے تعبیر کیا تھا اور اس کا جواب لکھنے کی ناکام سعی کی تھی۔

شعرِ غالب۔

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

شہود= ظاہر ہونا۔ شاہد= گواہ، ظاہر کرنے والا۔ مشہود= جو ظاہر کیا گیا، جو موجود ہے۔ مشاہدہ= دیکھنا۔

جب ہر شے ذات باری کا مظہر ہے، وہی ظاہر ہوا، اسی نے ظاہر ہونے کی گواہی دی، وہی اپنا دیکھنے والا بھی ہے تو قوتِ مشاہدہ کو کیا کہا جائے جو ظاہر کرنے والے اور ظاہر ہونے والے کے مابین تفریق کرتی ہے۔

غالب نے معما پیش کر دیا، اب ہم آپ اس کو حل کرتے رہیں۔ مشاہدہ وجہ امتیاز ہوا مگر مشاہدے کا دوسرا فرض یہ بھی ہے کہ ہر شے کو اپنی اصل سے منطبق کرے۔ جس طرح شہود و شاہد و مشہود (اور خود مشاہدہ) ایک ہی مصدر کے مشتقات ہیں، لہٰذا تصوف کا وہ مقام آ گیا جس کو اصطلاحاً جمع و تفریق کہتے ہیں۔ جمع کی حالت میں مشاہدہ معطل رہے گا اور تفریق کی حالت میں اس کا فرض اختلافِ مظاہر کو ایک وحدت میں تحلیل کرنا ہوگا۔

شعرِ غالب۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں، اجزائے ایماں ہو گئیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل مذہب توحید کا قائل ہونا ہے اور توحید تمام مہذب مذاہب میں جزوِ مشترک ہے، یعنی اصل مذہب ہے، اختلاف رسوم میں ہے، جب رسوم سے خالی الذہن ہو گئے تو حید مطلق رہ گئی اور ہر ملت توحید کی تصدیق کرنے لگی، لہٰذا جزوِ ایمان ہو گئی۔

والسلام
اثر لکھنوی

(۳)

کشمیری محلّہ، لکھنؤ
۱۲۔اکتوبر ۵۹ء

گرامی قدر بشیر محمود اختر صاحب

آپ کا خط ملا۔ مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے کہ شاعر کے حالات جاننے کے بجائے اس کے حالات نہ جاننا بہتر ہے۔ اس طرح اس کا کلام مطمح نظر رہتا ہے اور اس کی شخصیت دراندازنہیں ہوتی۔ I.A.Richards کا یہی مقصد تھا، جب اس نے متعدد نظمیں ناقدین کو انتقاد کے لیے بھیجیں اور شاعروں کا نام ظاہر نہیں کیا۔

آپ کے دوسرے استفسار کا یہ جواب ہے کہ تنقید کا اہم جزو تخلیق ہے۔ تنقید کی بہترین قسم جہاں تک ادب و شعر کا تعلق ہے، تخلیقی تنقید (Creative Criticism) ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو شیکسپیئر اور دوسرے سربرآوردہ شاعروں کے کلام پر تنقید کا ایک پشتارہ جمع نہ ہو جاتا۔

یہ یاد نہیں کہ کس کا قول ہے مگر میرے نوٹوں میں نقل ہے:

The reader's interpretation may differ from the author's and be equally valid.----it may even be better. There may be much more in a poem than the author was aware of ---- A poem means more not less than the ordinary speech can communicate.

والسلام
احقر
اثر

میں نے ایک مضمون میرؔ پر ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کے مضمون کے جواب میں ''نقوش'' لاہور میں اشاعت کے لیے بھیجا ہے۔ وہ پڑھ کر، کیا اچھا ہو، اگر آپ اپنی آزاد رائے سے مطلع کیجیے۔ اثر

(۴)

کشمیری محلّہ، لکھنؤ
۹/اپریل ۶۰ء
بشیر محمود اختر بعافیت باشند۔

وعلیکم السلام۔ آپ کے استفسارات کا جواب حاضر ہے:

۱۔ Classics کا صحیح اطلاق قدیم یونانی ولاطینی ادب پر ہوتا ہے مگر یہ مفہوم وسیع ہوتے ہوتے دوسری زبانوں کے قدیم ادب کے متعلق بھی استعمال ہونے لگا، مثلاً فردوسی کا شاہنامہ بھی کلاسکس میں شمار ہو سکتا ہے۔ جو ادب قدیم ہو اور آفاقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہرت حاصل کر چکا ہو، اسے کلاسک کہہ سکتے ہیں۔ اُردو میں اس کا کوئی صحیح مرادف نہیں، اسی وجہ سے اسی کو اپنا لیا ہے، جس طرح رومانتاک یا رومانوی کو (Romantic) کلاسک کو ادبِ قدیم یا ادب العالیہ کہہ سکتے ہیں۔ کلاسک کو روایتی اور رومانوی کو جذباتی ادب بھی کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ فیلسوف یونانی Sophist کا معرب ہے جس کے معنی ہیں ایسا شخص جو بحث میں غلط استدلال سے کام لے اور دھوکا دینا چاہے۔ اسی سے اُردو میں اس کے معنی دغاباز یا مکار ہو گئے۔ Caruist۔

۳۔ (الف) پھول پڑنا۔ آگ کا شرارہ یا پتنگا کسی چیز پر اُڑ کے پڑ جائے اور آگ لگ جائے تو پھول پڑنا کہتے ہیں۔ پھول کے ایک معنی ہی شرارہ ہیں۔

(ب) مین میکھ نکالنا۔ عیب نکالنا، نکتہ چینی کرنا۔ مین (بالکسر یائے معروف) ہندی میں مچھلی کو کہتے ہیں اور میکھ جال (mesh سے کتنا ملتا جلتا ہے) لفظی معنی ہوئے جال ڈال کر مچھلیاں پکڑنا، لہٰذا صحیح مفہوم ہوگا، ڈھونڈ ڈھونڈ کر ذرا ذرا سی بات پر اعتراض کرنا جس میں بظاہر کوئی سقم نہ ہو، مثلاً تم تو ہر بات میں مین میکھ نکالتے ہو۔

والدعا

اثر

ارے ''گل کترنا'' چھوٹ گیا! خوش نما نقش ونگار بنانا جن میں نفاست اور انوکھا پن بھی ہو۔ غالب کا شعر مشہور ہے۔

دیکھو تو دل فریبی انداز نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی!

امین حزین سیالکوٹی کے خطوط [۱۳]

(۱)

بیت الامین،
میانہ پورہ، شہر سیالکوٹ
۲۰۔۲۔۵۲

عزیزی اختر صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا ۱۶ ماہ حال کا خط ملا۔ پڑھ کر از حد خوشی ہوئی، نہ صرف اس لیے کہ آپ کا خط نہایت پاکیزہ اور نستعلیق جو اس زمانے میں النادر کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ آپ کا ذوق ادبی نہایت سلجھا ہوا اور صحیح معنوں میں پاکستانی ہے جس کی پاکستانی نوجوانوں کو اس وقت از حد ضرورت ہے۔ انگریزی کالجوں کے پڑھے لکھے نوجوانوں میں تو یہ ذوق سو فی صدی مفقود ہے، غالباً یہ اورینٹل کالج کی تعلیم کا اثر ہے کہ آپ میں یہ خوبی پیدا ہوگئی اور شاید اورینٹل کالج کے طلبا کا مذاق بالعموم ایسا ہی ہوتا ہو۔[۱۴]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال! آپ میری دلی مبارک باد اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ آپ کو اور آپ کے ذوق سلیم کو پروان چڑھائے، آمین۔

میں یہ لکھنا تو بھول گیا کہ میری معذوریاں کیا کیا ہیں۔ لیجیے، اب سن لیجیے۔ آنکھ میں بینائی نہیں رہی۔ ایک آنکھ بنوائی تھی، اس سے کچھ کام چلتا ہے۔ مطالعہ تین سال سے چھٹ چکا ہے، خاص کر انگریزی کتب کا۔ پچھلے تین چار ماہ سے اُردو اخبار اور رسائل جو پہلے ہی کم پڑھتا تھا، اب قریباً قریباً بالکل نہیں پڑھتا۔ صحیح تو یہ ہے کہ پڑھ ہی نہیں سکتا اور اگر کبھی کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو بڑی دقت سے۔ تھوڑا بہت لکھتا ضرور ہوں، وہ بھی پنسل سے، قلم سے اور وہ بھی خاص مضبوط امریکن نئے قلم سے جس کا نب مضبوط ہوتا ہے اور ہاتھ کا دباؤ سہہ سکتا ہے۔

میری ادبی خط و کتابت دو سال سے پنسل ہی سے ہوتی ہے۔ آپ کو بہ مجبوری قلم سے لکھ رہا ہوں۔ ہاتھ میں Writer's Cramp (رعشۂ مصنفین) ہے۔ عام قلم کا لکھا ہوا اکثر نہیں پڑھا جاتا، پنسل کا لکھا ہوا موٹا اور صاف ہوتا ہے، پریس والے پڑھ لیتے ہیں۔ آنکھوں کی کمزوری نے تمام جسم پر اپنا انحطاطی اثر ڈالا ہے، اس لیے کافی حد تک دبلا ہو گیا ہوں۔ حافظہ پہلے ہی کمزور تھا، اب بالکل جواب دے چکا ہے، نہ اپنا کلام یاد ہے، نہ کسی اور کا۔ نوجوانی کے وقت کے جو چند اشعار ذہن میں رچ چکے ہیں، وہ کچھ کچھ یاد ہیں، وہ بھی کوئی پڑھے تو یاد آ جاتے ہیں ورنہ نہیں۔

یہ تفصیل میں نے اس لیے پیش کر دی کہ آپ کے دم چھلے، یعنی تخلص سے ڈر لگ گیا ہے کہ دوسرے خط میں کہیں آپ کے شعروں کو ایک نظر دیکھنے کی فرمائش نہ آ جائے اور میرے یقینی انکار سے بددل نہ ہو جائیں۔ ویسے بھی میں شاگردی استادی کا قائل ہی نہیں۔ شاعری کا جوہر وہبی ہے، اسے اکتسابی بنانے کی رسم کا سہرہ غلام ہندوستان کے حصے میں آیا ہوا ہے۔ دنیا میں اور کہیں یہ "بد رسم" رائج نہیں۔ اس زمانے میں جب اساتذہ کا کلام آسانی سے دستیاب ہو سکتا ہے اور اس کا بغور مطالعہ کیا جا سکتا ہے، استادی شاگردی کی علت کو نابود ہو جانا چاہیے۔

ہاں! آپ نے چند سوالات کا جواب مانگا ہے، وہ عرض کیے دیتا ہوں:

۱۔ علامہ مرحوم کے تینوں کے تینوں شعر بالکل صحیح اور اپنے سکہ بند پائے کے ہیں۔

(کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آ لباس مجاز میں کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں)

حقیقت منتظر = وہ حقیقت جس کا انتظار ہو رہا ہے۔

لباس مجاز میں نظر آنا = محسوس صورت میں نظر آنا، جس طرح میں، آپ اور دوسرا مادی ماحول ہمیں نظر آتا ہے۔

جبین نیاز میں سجدوں کا تڑپنا = کمال اشتیاقِ دید کا جذبہ ہے اور عاشق کی تسلی یا عین الیقین کا مقام جب ہی حاصل ہو سکتا ہے، جب محبوب نقاب برافگندہ روبرو آ جائے اور عاشق دڑھام (دھڑام) سے اس کے قدموں پر گر جائے۔ یہ خواہش اور جذبہ بھی اسی قسم کا ہے جس قسم کا موسیٰؑ سے "طور" پر ظاہر ہوا۔[15] یا حضرت ابراہیمؑ سے بے ساختہ لب پر آ گیا کہ الٰہی! مجھے دکھا کہ تو مردہ اور بوسیدہ ہڈیوں کو کس طرح از سرِ نو زندہ کرے گا؟ پوچھا جاتا ہے کہ تمھارا ایمان نہیں کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں؟ عرض ہوا: ایمان تو ہے، البتہ مزید اطمینانِ قلب چاہتا ہوں اور واقعہ بھی یہی ہے، شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔[16]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اس شعر میں علامہ مرحوم نے انسانی فطرت کا ایک عام مگر اہم پہلو اجاگر کیا ہے۔ ہمارا کانشس مائنڈ Conscious mind (نفس لوامہ، قرآن کی زبان میں) ہمارے سب کانشس مائنڈ (Sub Conscious mind) (قرآن کی زبان میں نفسِ امارہ) جو ہر وقت انسان کو من مانی کرنے پر اکساتا رہتا ہے، کانشس مائنڈ سے دبا رہتا ہے اور اس لیے اس کے بہت سے کرتوت جو وہ کرگزرتا، معرضِ وجود میں نہیں آتے۔ فرائیڈ صاحب اسی نفس امارہ کی بے بسی کے حامی بن کر مغرب کو بلاواسطہ اور مغرب کی وساطت سے مغرب زدہ مشرق کو بالواسطہ اکساگئے کہ اس غریب کو کھل کھیلنے دو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور مغرب اور امریکہ کا حال اخلاقی نقطۂ نگاہ سے جو ہوگیا ہے، آپ کے سامنے ہے اور مشرق جس کی اپنی مت تو ہے نہیں، محض نقال ہے (نقل راچہ عقل) جس اندھیری اور عمیق غار میں گرچکا ہے، وہ کسی دیدہ ور سے چھپا ہوا نہیں۔

انسانی فطرت یک رنگی کی نہیں، تنوع کی دل دادہ ہے۔ یہ اچھی سے اچھی چیز سے بھی کچھ عرصے بعد اکتا جاتی ہے۔ بچوں میں فطرت کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے اور اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے۔

اس شعر میں علامہ نے عام انسانی فطرت کے اسی پہلو کو پیش نظر رکھ کے کہا ہے کہ زبان کا مزہ بدلنے کے لیے کبھی کبھی مسجد کی دم گھونٹ دینے والی فضا سے نکل کر بازار کی گرم گفتاری کا تجربہ بھی کرلینا چاہیے اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ جب تک آپ کو بدیوں کے بدعواقب کا تجربہ نہ ہو تو آپ نیکیوں کی بزرگداشت کماحقہٗ کرہی نہیں سکتے۔ ہم انسان ہیں، فرشتے نہیں۔

تھا ارنی گو کلیم، میں ارنی گو نہیں
اس کو تقاضا روا، مجھ پہ تقاضا حرام

ارنی گو= موسیٰؑ جنھوں نے خدا سے مطالبہ کیا تھا کہ ذرا سامنے آکر دیدار دیجیے۔

میں ارنی گو نہیں = موسیٰؑ تو پیغمبر تھے لیکن میں تو ایک عامی ہوں۔ بعض باتیں پیغمبروں کے لیے قابل گرفت نہیں لیکن امتیوں کے لیے قابل گرفت ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام ایک اور موقع پر جب اسرائیل کی قوم کو مصر سے آزاد کرکے لائے اور کچھ عرصے کے لیے وادیٔ سینا میں قیام پذیر ہوئے تو ان کی قوم نے "طور" پر، جب وہ ان کے ہمراہ تھی، ارنی والی گستاخی کی اور موسیٰؑ سے بضد کہا کہ ہمیں خدا دکھاؤ تو خدا نے انھیں (غالباً ستر آدمی تھے) وہیں موت کی نیند سلا دیا۔ موسیٰؑ ڈر گئے اور لگے التجائیں کرنے کہ ان نادانوں پر اتنے خفا نہ ہوجیے اور ان کی جاہلانہ خطا سے درگزر ریئے۔ یہ امتیازی سلوک بے وجہ نہیں۔ موسیٰؑ نبی تھے، انھیں خدا پر ایمان بالغیب بدرجۂ اتم تھا مگر ان کی قوم جس کی تمام روحانی صلاحیتیں فرعون کی برسوں بلکہ صدیوں کی غلامی نے مسخ کردی ہوئی تھیں اور صلاحیتیں دنوں میں نہیں، برسوں اور قرنوں میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکتی ہیں (دیکھتے نہیں، پاکستان میں آزادی کیا حاصل ہوئی، مادر پدر آزادی کا دور دورہ زوروں پر آگیا)۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ علامہ مرحوم نے جب یہ شعر کہا تو اس وقت ان کی نظر مندرجہ بالا اسرائیلی حرکت پر تھی یا ان کے ذہن میں کوئی اور بات تھی۔ بہرحال جو تشریح میں نے عرض کی ہے، یہ بھی غلط نہیں کہی جاسکتی۔

۲۔ مولانا نیاز فتح پوری پائے کے ادیب اور ادب میں طرز خاص کے موجد ضرور ہیں اور ان کے علم کا دائرہ بھی وسیع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تذکیر و تانیث کے سلسلے میں مجھے یورپ کے وہ ڈاکٹر یاد آ گئے ہیں جن کے متعلق اخباروں میں کبھی کبھی پڑھنے میں آ جاتا ہے کہ وہ غدودوں کی تبدیلی سے نر کو مادہ اور مادہ کو نر بنا دیتے ہیں۔ کہیں نیاز صاحب وہی تجربہ اُردو زبان پر تو نہیں کرنے لگے؟ اور کمال یہ ہے کہ بغیر کوئی غدود نکال پھینکنے کے یہ اعجاز دکھانا چاہتے ہیں۔ جس طرح ہم اپنی اولاد کے حقیقی خالق نہیں بلکہ خود فطرت ہے، ہم صرف مجازی خالق یعنی آلہ ہیں، اسی طرح زبان کی خالقِ حقیقی بھی فطرت ہی ہے۔ جس طرح فطرت کسی کے رحم سے لڑکا پیدا کرتی ہے اور کسی کے رحم سے لڑکی وغیرہ، اسی طرح زبان کے الفاظ بھی پیدائش پر چند فطری خصوصیات لے کے آتے ہیں اور جس طرح ہم انسانوں اور جانوروں کے بچوں کی امتیازی خصوصیات دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ نر ہے اور یہ مادہ، بعینہٖ ہر لفظ میں ایسی فطری خصوصیات ہوتی ہیں جو انھیں مذکر یا مؤنث کہے جانے پر دال ہوتی ہیں۔

انسان نے جس طرح سب علوم زیادہ تر تجربے سے دریافت کیے ہیں، گرامر صرف و نحو بھی ایک ایسا ہی علم ہے جو زبان کے بغور مطالعے کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ اساتذۂ قدیم، مثلاً حضرت امیر مینائی نے چند قواعد بنائے ہیں جن کے ماتحت اُردو کے الفاظ کی تذکیر و تانیث آتی ہے، مثلاً جو اسم ''ی'' پر ختم ہوتے ہیں، تانیث سے بولے جاتے ہیں اور جو ''الف'' پر اختتام پذیر ہوتے ہیں، انھیں تذکیر سے لکھا جاتا ہے۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے، اس کے مستثنیات بھی ہیں مگر گنتی کے۔ اسی کلیے کے تحت دہی اور مری تانیث سے بولے جاتے ہیں۔

دوسرا کلیہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ عربی الفاظ جن کی جمع عربی کے قاعدے سے بنی ہو، بالعموم تذکیر سے بولے جاتے ہیں۔ یہاں بھی چند مستثنیات ضرور ہیں۔ وہ کلیہ ہی کیا جس کی مستثنیات نہ ہوں۔ میز کو ابھی تک تانیث سے اور اخبار اور قلم کو تذکیر سے باندھا گیا ہے (پنجابی میں اس کے خلاف یہ تینوں تانیث سے بولتے ہیں۔ اُردو میں ان کی تذکیر اور پنجابی میں ان کی تانیث ہی صحیح زبان ہوگی)۔ موٹر جب تازہ تازہ ہندوستان میں آئی تو کوئی تذکیر سے بھی بولتا تھا لیکن اب تانیث سے عام طور پر رائج ہے۔

ایسے ''مجہول الجنس'' بدیشی الفاظ سے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ جس قسم کی چیز کا وہ نام ہے، اگر ہمارے ہاں ویسے ہی استعمال کی چیز ہو تو جو صورت ہمارے ہاں کی چیز کی ہو، وہی بدیشی کی بھی ہو جاتی ہے۔ موٹر ایک قسم کی گاڑی ہے، اس لیے یہ بھی تانیث ہونی چاہیے۔

۳۔ علم بدیع وغیرہ چونکہ علم ہیں، اس لیے ان کو کسی ان علوم کے ماہر ہی سے پڑھنا چاہیے۔ کتابیں زیادہ کام نہیں دیں گی، خاص کر مبتدیوں کو۔ ''حدیقۃ البلاغت'' فارسی میں ہے اور اس کا ترجمہ اس کے حاشیے پر اُردو میں ہے۔ مبتدی کے لیے یہ کتاب سنگلاخ ہے۔

عزیزم سمیع صاحب کا پتہ یہ ہے:

خواجہ عبدالسمیع پال صاحب، ایم اے، ایل ایل بی، پبلک پراسی کیوٹر Public Prosecuter محلہ پورن نگر، شہر سیالکوٹ

ڈاکٹر صاحب کو ~~تحلے~~ اور اپنی خالہ کو، اگر وہ پسرور ہی ہوتی ہیں، سلام کہیے اور ان کے میاں صاحب کو بھی ۔/۸ جواب کے لیے لفافہ ملفوف بھیجنے کا تکلف آپ نے خوب کیا۔

آپ کا خیر طلب: محمد مسیح پال

مکرر آنکہ۔ میری ایک ہی تصنیف شائع ہوئی تھی۔ باقی تصانیف کے مسودے رکھے ہیں، خدا جانے کب ان کی اشاعت کی نوبت آئے۔ ''گلبانگ حیات'' آؤٹ آف پرنٹ ہے۔ اس کا ایک نسخہ غالباً ڈاکٹر صاحب کے پاس تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)

بیت الامین، میانہ پورہ

شہر سیالکوٹ

۱۷/۳/۵۲ عزیزم اختر صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا ۱۲ کا خط ملا، یاد آوری کا شکریہ۔

عزیزم! آنکھ خراب ہو اور وہ بھی موتیا سے تو دن بدن بگڑتی ہے، بنتی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ تھوڑا بہت لکھ لیتا ہوں (پنسل سے) اور اسے پڑھ لیتا ہوں۔ بحالات موجودہ یہ بھی غنیمت ہے۔ مشیت ایزدی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہی عین انسانیت ہے۔

میرا حافظہ نوجوانی ہی سے کچھ کمزور رہا ہے اور کچھ میں نے جان بوجھ کر اسے خراب کر دیا تا کہ طبیعت کی جتنی اپج ہو، وہ ''شرابِ خانہ ساز'' ہو، دوسروں کی کشید کردہ نہ ہو۔ مطالعہ کرتے وقت انگریزی کی کتاب ہو کہ اُردو فارسی کی، اچھی چیز پر نشان کر دیا کرتا تھا، بعد میں نوٹ بکس میں اقتباس لکھ دیا کرتا تھا، بدیں خیال کہ زیرِ غور مسائل کو کتابی شکل دیتے وقت یہ نوٹ شاید کام آئیں لیکن نظر کی کمی نے دونوں کے افادے سے محروم کر دیا ہے۔ اب سب کتابیں اور نوٹ بکس میرے لیے بے کار ہیں اور اکثر انھیں دیکھ کر جی بھر آتا ہے اور صدمہ ہوتا ہے۔

پسند اور ناپسند کے باب میں بھی میرا نظریہ دنیا سے الگ مگر ''فطرتی''، یعنی قانونِ فطرت کے مطابق ہے۔ طبیعت کے ارتقا اور وسعتِ فکر و نظر سے پسند اور ناپسند بھی بدلتی رہتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی اقبال ہمیشہ محبوب رہے ہیں اور جب کبھی فرصت ملی ہے، اقبال ہی پڑھا ہے۔ عرفی اور غالب کا نمبر دوسرے درجے پر۔ اُردو شعراء کو (خاص کر اساتذہ کو) کسی وقت زبان پر قدرت حاصل کرنے کے لیے جوانی میں پڑھا تھا۔ اُردو شاعر بے چارے نقال ہیں اور اکثریت ان کی چور ہے، ذاتی کاوش اور جدت الا ماشاء اللہ ہے یا یوں سمجھیے کہ قافیہ پیمائی کرتے کوئی قافیہ ایسا آ گیا کہ کوئی اچھی بات اتفاقاً قلم سے نکل گئی۔ فکری شاعری ان کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔

حافظے کا یہ حال ہے کہ شاید پانچ دس شعر، وہ بھی زیادہ تر فارسی کے، مثلاً عرفی یا غالب وغیرہ کے، علامہ اقبال کے شاید دو ایک شعر یاد ہوں اور بس۔ اپنے شعر بھی ایضاً۔ اپنی غزلوں میں ''نئے کا نئے نام رکھ دیا کس نے'' والی غزل جو ''گلبانگ'' میں ہے، مجھے بڑی پسند ہے مگر اس کے بھی دو ایک شعر یاد ہیں اور بس۔ شعر لکھتے وقت اوپر کا شعر لکھا اور بھول گیا۔ غزل ختم ہونے کے بعد اگر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد کوئی پوچھے کہ آج کیا لکھا تھا تو ایک مصرع عرض نہ کر سکوں گا۔

میں قافیے کے ماتحت نہیں لکھتا بلکہ قافیے کو اپنے مضمون کے مطابق بنا لیتا ہوں۔ ترکیبیں اپنی، زبان اپنی، مثالیں اور تشبیہات اپنی، اس لیے عوام مجھے ''نرالہ'' سمجھتے ہیں اور واقعی میں ہر بات میں دنیا جہان سے نرالہ ہوں۔ اندریں حالات میں کوئی شعر اپنا یا کسی کا یہ کہہ کر پیش نہیں کر سکتا کہ یہ میری پسندیدہ چیز ہے۔

رہی شعر و شاعری کی تعریف، اس موضوع پر میں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ''شاعر'' میرا اغنائیہ ہے جو ''ساقی'' کراچی کے ۱۹۵۲ء کے سال نامے میں شائع ہوا ہے، پایہ کی چیز ہے۔ (ضمناً عرض ہے کہ اگر آپ میرا فکری کلام باقاعدہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ماہنامہ ''ساقی'' کراچی جاری کروا لیجیے۔ ایڈریس یہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا شاہد احمد بی اے (آنرز) دہلوی
مدیر ماہنامہ ''ساقی''، کراچی، مغربی پاکستان
نمبر ۵ مارٹن روڈ، کراچی۔

میں اُردو ہی میں نہیں، فارسی میں بھی لکھتا ہوں۔ حال ہی میں فارسی میں قطعات لکھے ہیں جن کی سرخی ہے ''شاعری وشعر''۔ ''ساقی'' میں میرا کلام پچھلے ۲۰۔۲۱ سال سے بالاستعیاب شائع ہو رہا ہے۔

لیجیے! آپ بھی سن لیجیے: آپ کا: امین حزیں

(نوٹ) اس قسم کے خطوط لکھنا آسان نہیں اور میری صحت اتنی زیادہ کوفت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

''شاخ بنات''

شاعری

شاعری جوہر یست آفاقی — شاعری موج برق بزّاقی
شاعری ساز نغمہ و نالہ — شاعری ساغر مئے باقی

شاعری حسن را مئے گل رنگ — عشق را نالہ ہائے پردۂ چنگ
نقش نقش نگار خانۂ چیں — شعر شعرش صحیفۂ ارژنگ

آئینہ دار حسن دیدۂ او — حسن گوئی کہ آفریدۂ او
دم شاعر صبا و ہر گل حسن — اندریں بوستاں دمیدۂ او

شاعری جستجوئے رنگینیست — از گلستان ہست گل چینیست
مختصر ایں کہ اے امین حزیں! — شاعری دیدۂ خدا بینیست

شعر

شعر خون چکیدۂ جگر است — مئے ''تندو رسیدۂ'' جگر است
لالۂ شعلہ روئے ''طرزِ خیال'' — شعر رنگ و پریدۂ جگر است

ابر نیسان فکر آغوشش — خم نجم سحر کشد دو شش
حرف حرفش حویں چو موج نسیم — ''نوشدا روئے زہر غم'' نوشش

حرف رنگیں چو برگ لالہ وگل — معنی، شعر و سرور جرعۂ مل
ہم مغنی بہ بزم و ہم ساقی — بر لب شیشہ نغمۂ قل قل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر نہ دار ذوق را بادہ ٭ راہ پیمائے فکر را جادہ

قلب غم دیدہ را مئے تسکیں ٭ "شعرنم ناک دیدہ" غم زادہ

امین حزیں سیالکوٹی

(۳)

بیت الامین، میانہ پورہ، شہر سیالکوٹ

۵/۴/۵۲

عزیزی سلمہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا محبت نامہ بہت دنوں سے آیا پڑا ہے، جواب نہیں دے سکا، فرصت نہیں ملتی۔ اپنی الجھنیں اتنی ہیں کہ لکھنے پڑھنے کا جو کم وقت اب میسر آ رہا ہے، اتنا کم ہے کہ میں اپنی الجھنوں کو ہی سلجھا نہیں سکتا، دوسروں کی الجھنیں کیا سلجھاؤں!

میں خود تمام عمر کسی اہلِ دل اور اہلِ نظر انسان کی تلاش میں رہا ہوں

دی شیخ با چراغ ہمیں گشت گرد شہر

از دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

(رومی)

لیکن ناکام ہی رہا۔ مدعی کافی دیکھے مگر قول وفعل کے معنی نظر نہیں آئے، اس لیے میں نے یہ کہہ کر تمام تر توجہ قرآن حکیم میں مرکوز کر لی:

کفانا کتاب اللہ۔ اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔

اقبال بغور پڑھا۔ قرآن حکیم کی تلاوت ایک فانی زاویۂ نگاہ سے باقاعدہ کی اور کر رہا ہوں۔ یاد رکھیے جو "استادی" کے مدعی ہیں، بس "استاد" ہی ہیں، "پیشہ ور استاد"......اور جہاں یہ صورت ہے، فکر ونظر مشکوک ہیں۔ اہل فکر ونظر کو اتنی فرصت ہی کہاں کہ خط وکتابت کرتے پھریں۔

میرا ذخیرۂ معلومات جو حافظے میں رہ گیا ہے، بس یہی ہے البتہ فکر ونظر محدود نہیں۔ سوچتا ہوں خیال کو الفاظ میں مقید کر لیا تو محفوظ ہو گیا ورنہ عدم سے آئی ہوئی چیز عدم کو لوٹ جاتی ہے۔

میرے خیالات سے استفادہ "ساقی" ہی سے آپ کر سکتے ہیں اور قرآن مجید بغور پڑھا کیجیے۔ اقبال کو درسی کتاب سمجھ کر پڑھا کیجیے۔ متداول ادب کی کتابیں مستند اگر مل جائیں تو پڑھا کیجیے تا کہ زبان پر آپ کو عبور حاصل ہو جائے۔ فکر ونظر جب ہی کام کے اور مفید ہو سکتے ہیں، جب ان کے اظہار کا آلہ، یعنی زبان موزوں اور درست ہو۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ فقط والسلام

آپ کا خیر طلب

محمد مسیح پال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لف ہذا تازہ ترین قطعات ذاتی مطالعے کے لیے بھیج رہا ہوں۔

نکات

ساغر جم ہے جام لالہ مجھے
اور موتی عدن کے ژالہ مجھے
اس بلندی پہ اب ہے میری نظر
ہے جہاں ایک پست و بالا مجھے

خندۂ غنچہ حرف شکرانہ
بوئے گل ہے کسی کا نذرانہ
عندلیبوں کی ہے نماز سحر
ان کا پیہم سرودِ مستانہ

میٹھی میٹھی نگاہ مہر منیر
ہر کلی کے جگر کا تیر ہے تیر
کتنا پاکیزہ! کتنا دل کش ہے!
پھول در اصل ہے ''چمن کا ضمیر''

یہ جہاں، اپنا ''ہفت رنگ جہاں'' !
یہ ''طلسمات خانۂ گرداں'' !
ایک آئینہ ہے امیں جس میں
راز پنہاں ہے دیدہ ور کو عیاں

امین حزیں سیالکوٹی

(۴)

عزیزی سلمہ اللہ

السلام علیکم۔ آپ کے سوال کا مفصل جواب یہ مضمون ہے۔ آپ اس کی نقل رکھ کے اصل مجھے واپس کر دیں۔

۱۔ بظاہر شاعر کا آپ ہی اپنا تخلص رکھنا ایک اتفاقی چیز ہے۔ تخلص ایک ایسا سانچہ ہے جس میں ''آئندہ کا شاعر'' Future Poet ڈھلتا ہے۔ مضمون وسیع ہے، اس لیے مفصل نہیں لکھ سکتا۔

۲۔ اپنی شاعری سے متعلق آپ کچھ کہنا میرے نزدیک معقولیت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثنائے خود بخود کردن نمی زیبد ترا صائب
چوں زن پستان خود مالد حظوظ نفس کے یابد

یعنی یہ کام دوسروں کا ہے، میرا نہیں — آپ کا مخلص

۵۲-۸-۱۵ — امین حزیں سیالکوٹی

ادب

ایک نوجوان عزیز نے جس کی طبیعت میں اُردو اور فارسی ادب سے کچھ فطری سا لگاؤ محسوس ہوتا ہے، ایک خط میں مجھ سے پوچھا ہے کہ میرا نظریۂ ادب کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بیک وقت سہل بھی ہے اور مشکل بھی۔ سہل اس طرح کہ مختصراً کہہ دیا کہ میرے نزدیک ادب کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ میں یا میری افتادِ طبیعت کے لوگ پیش کر رہے ہیں مگر یہ کوئی معقول جواب نہیں کیونکہ ''افتادِ طبیعت'' ایک وہبی چیز ہے اور وہبی چیز کا عمل اس کی فطرت کے عین مطابق لازماً ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے، مثلاً باغ کے دو پھول کے پودے لے لیجیے۔ ایک گلاب کا پودا اور ایک ڈیلیا کا۔ ایک ہی کیاری، ایک ہی باغ اور ایک ہی آب و ہوا میں پرورش پانے کے باوجود ان کی ڈالیاں، پتے اور پھول اور پھر پھولوں کی خوشبو، ایک دوسرے سے کوئی مماثلت نہیں رکھتی مگر پھول کے پودے دونوں ہی ہیں اور دونوں کی ہر چیز کا نام مشترک ہے۔ گلاب کا پھول بھی پھول ہے اور ڈیلیا کا پھول بھی ایک پھول وغیرہ وغیرہ۔

باغ میں دونوں کی نمود و نمایش زبانِ حال سے اپنی اپنی یکتائی کا ڈنکا بجا رہی ہے۔ بادِ صبا کے جھونکوں سے دونوں بے خودانہ رقص کرتے ہیں اور پہلو بہ پہلو ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی کمتری یا برتری کی بحث میں نہیں پڑتے لیکن اسی باغ میں چند انسان جن کے مذاق الگ الگ ہیں، داخل ہوتے ہیں اور اپنے اپنے مذاق سے مجبور ہو کر اپنی اپنی پسند کے پھول کی تعریف اور دوسروں کی پسند کے پھول کی تنقیص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ثالث بالخیر تو کہا نہیں جا سکتا کیونکہ ہر دو کی رائے آزاد رائے تو ہے نہیں بلکہ ایسی رائے ہے جو ان کی ذات کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے اور ''کس نگوید کہ دوغ من ترش است'' کا مجسم ثبوت۔ اس لیے ایسی رائے کو معقول یا محکم رائے نہیں کہا جا سکتا کہ اسے ایک ''کلیہ'' تسلیم کر لیا جائے۔

اب اگر ہم اس باغ کے مالی کو جو بظاہر ان پھولوں کا مجازی خالق اور پروردگار ہے اور جو دونوں پودوں کے مالہٗ اور ماعلیہ سے کلیتہً واقف ہے، حکم بنا دیں، اس یقینِ محکم کے ساتھ کہ اس کا علم ہمارے علم سے مکمل تر اور محکم تر ہے اور ہر قسم کی ذاتی غرض سے یکسر بالاتر بھی تو اس مالی کا فیصلہ ایسا ہو گا کہ اسے مان لیا جائے۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو یہ بحث قیامت تک طول کھینچ کر بھی ختم نہ ہو سکے گی۔

مندرجہ بالا تفصیلی تمہید میں نے اس لیے اٹھائی ہے کہ جواب کے مشکل ہونے کے پہلو کو تھوڑا سا اجاگر کر دیا جائے۔ اس حقیقت سے تو کوئی پڑھا لکھا انسان جس نے ادب کے دشت کی ذرا سی بھی خاک چھانی ہے، انکار کر ہی نہیں سکتا کہ آج تک ادب کی صحیح تعریف کی ہی نہیں جا سکی۔ اس کی وجہ فطرتِ انسانی کا وہ ''نفسیاتی عمل'' ہے جسے بطور کلیہ قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

کل حزب بما لدیھم فرحون [۱۹] [ترجمہ: ہر گروہ ہر اس چیز سے جو اس کے پاس ہے، (دوسرے لفظوں میں اپنے مکتبی عقائد سے) خوش ہے]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادب کے بارے میں بھی آج تک یہی ہوا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔ گویا گلاب اور ڈیلیا کے پودوں والی بحث پھر چھڑ جائے گی اور اس بحث کو ختم کرنے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے کہ اس معاملے کو اس ''گلشن ایجاد'' کے ہمہ صفت موصوف مالی کے فیصلے پر چھوڑا جائے اور یہ فیصلہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ہو کر ''آفاقی کتاب آئین'' پر اس طرح آ چکا ہے:

والشعر آءُ یتّبعھم الغاوٗنO الم تر انھم فی کل واد یھمونO انھم یقولون ما لا یفعلونO [۲۰]

ترجمہ: اور یہ شاعر لوگ وہ ہیں جن کی پیروی صرف گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں اور یہ شاعر لوگ وہ ہیں جو پہنائے عالم کے گوشے گوشے میں خیالی گھوڑوں پر چڑھے مارے مارے پھرتے ہیں اور جن کا دوسرا امتیز وصف یہ بھی ہے کہ ان کے قول و فعل میں مطابقت نہیں، یعنی پرلے درجے کے جھوٹے اور منافق ہیں۔

ایک مسلمان کے لیے اس نصِ صریح سے تو انحراف نہیں ہو سکتا، البتہ مادیین کو اختیار ہے کہ وہ بخوشی غاوٗن میں شامل رہیں اور مادی نقطۂ نگاہ کی شاعری اور ادب کی قصیدہ خوانی کریں۔ ایک مسلمان (پاکستانی) کو نہ تو ایسا کرنا چاہیے اور نہ ہی ایسے گمراہ کن شاعروں اور ادیبوں کی ہمت افزائی کو ادبی ذوق کی بلندی تصور کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان (پاکستانی) الذین امنو: البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اسلام کی مدد وغیرہ کی، کے مکتب سے ہی متعلق رہ سکتا ہے اور اسے اسی حلقے ہی میں رہنا چاہیے۔

۱۵۔۸۔۵۲ امین حزیں سیالکوٹی

(۵)

بیت الامین
میانہ پورہ، شہر سیالکوٹ
۲۔۹۔۵۲

عزیزی اختر صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا ۲۷۔ اگست کا عنایت نامہ ملا۔ رسید ذرا توقف سے بھیج رہا ہوں۔ پچھلے دنوں میں کچھ زیادہ ہی مصروف تھا، معاف کیجیے گا۔ مضمون کی نقل مل گئی ہے، شکریہ۔ نظرِ ثانی کرنے کے لیے اتنا ضروری مواد پڑا ہے کہ ان جزوی چیزوں کو نظر انداز ہی کرنا پڑتا ہے، یک سرو ہزار سودا۔ لہر ٹوٹے ہوئے حبابوں کا ماتم کرنے کو نہیں رک سکتی۔

امید ہے کہ آپ کی کل کی عید ڈسکہ میں بخیر گزری ہوگی۔ باسی مبارک باد عرض کر رہا ہوں، تاہم یہ اخلاص بھری مبارک باد ہے جو ہر آن ہی تازہ ہوتی ہے۔ فقط

والسلام
آپ کا خیر طلب
ا۔ح

(۶)

بیت الامین
میانہ پورہ، شہر سیالکوٹ
۶۔۱۱۔۵۲

عزیزی قاضی اختر صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا ۲۹۔ اکتوبر کا ''سوال نامہ'' تو کئی دن سے آیا [ہوا] ہے۔ صحت کے باب میں استفسار کا شکریہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کا بڑا ہی کرم ہے کہ خیریت سے ہوں، صحت بھی کچھ اتنی بری نہیں۔ آنکھ بنوالی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اچھی بن گئی ہے۔ ابھی عینک کوئی مہینہ بعد ہی لگ سکے گی، دوائی ڈالتا رہتا ہوں۔ پہلے کی بنی ہوئی آنکھ سے کام لیے جارہا ہوں مگر سچ پوچھو تو ہے زیادتی۔ مجھے مکمل آرام کرنا چاہیے مگر دماغ آرام کرنے بھی دے۔

آپ کا خط کیا ہے، سوالات کا پرچہ ہے! یہ کیا ہے؟ وہ کیا ہے؟ اس مضمون پر طبع آزمائی فرمائیے، اس مسئلے پر مفصل روشنی ڈالیے۔ اگر میں آپ کے سولات کا جواب لکھنے بیٹھوں تو کاغذ کا ایک دستہ کاٹ کر سامنے رکھ لوں اور دو ایک دن کوئی اور کام کیے بغیر لکھتا جاؤں۔ کیا میری صحت ایسی ادبی چکی کی مصیبت برداشت کر سکتی ہے؟ برخوردار! کیا آپ مجھ سے دائرۃ المعارف لکھوانا چاہتے ہیں؟ اتنی محنت کے لیے میں تیار نہیں۔ میرے اپنے خیالات اس کثرت سے سامنے رہتے ہیں کہ میں ان سے ہی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، بہ دیگراں چو رسد۔

علامہ اقبال کے آپ نے دو مصرعے لکھ دیئے:

۱۔ ترے نفس سے ہوئی آتشِ گل تیز تر

۲۔ مرغِ چمن! ہے یہی تیری نوا کا صلہ

اب میں اقبال کا حافظ تو ہوں نہیں۔ ان کی قریب قریب تمام کتابیں میرے پاس سہی مگر کسی خاص شعر کا ان کی کسی کتاب سے ڈھونڈ نکالنا میرے بس کا روگ نہیں۔ کم از کم حوالہ دیا ہوتا کہ میں پورا شعر دیکھتا، جس نظم کا یہ ٹکڑہ ہے، اس کو پڑھتا اور شاعر کے رجحان طبیعت کا جو وہ نظم لکھتے وقت رکھتے تھے، جائزہ لیتا، پورا شعر پڑھتا اور آپ کے سوال کا اپنی بساط بھر جواب سوچتا اور کسی صحیح نتیجے پر پہنچتا۔

بظاہر تو (۱) مصرعے کا یہی مفہوم نظر آتا ہے (بلبل اور گل مثالیں ہیں۔ بُلبُل سے مراد تو خود حضرت مرحوم کی ذات گرامی ہے اور گل سے عوام۔ آگ یہاں سیاسی شعور کا مفہوم رکھتی معلوم ہوتی ہے) درحقیقت شاعر کا جو مطلب ہے وہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری شاعری نے عوام کے سیاسی شعور کی افسردہ آگ کو شعلہ پاش کر دیا ہے۔

(۲) مرغ چمن سے مراد حضرت علامہ مرحوم کی ذات محترمہ ہے۔ جس طرح بلبل کا جانی دشمن باغبان بلبل کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، اسی طرح سچی اور کھری باتیں کرنے والے خدا کے بندوں کو حکومت ہمیشہ میلی آنکھ سے ہی دیکھنے کی عادی ہے۔ یہ ایک کلیہ ہے جس کو پیش نظر رکھ کے علامہ موصوف اپنی ''مظلوم ہستی'' کو تسلی دیتے ہیں۔

پہلا سوال: ''ادبی شعور''۔ انگریزی زبان میں شعور کی اس صنف کو ٹرنڈ آف مائنڈ Trend of mind (کہتے ہیں)۔ ادبی شعور وہ صلاحیت یا رجحان ہے جو کسی طبیعت کو ادب کی خوبیاں اور اس کے نقائص سمجھنے کا ہو۔

چوتھا سوال: زبان انسانی تہذیب اور نوع انسانی کی تاریخ کا ایک شعبہ ہے۔ سوال اتنا مہتم بالشان اور سادگی ملاحظہ ہو کہ اس مضمون پر چند الفاظ لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ وہ چیز جس کو بنتے ہزاروں سال لگ گئے ہیں، آپ کے خیال میں اس کا بیان چند الفاظ میں کیا جا سکتا ہے؟ کوزے میں دریا نہ بند ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ یہ صرف محاورہ ہی محاورہ ہے جو ادیبوں اور شاعروں نے گھڑ رکھا ہے۔

ہر گھر میں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ کیا پیدا ہوتے ہی وہ بولنے لگ جاتے ہیں؟ (اعجازی مولود مسعود، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت جس طرح اعجازی تھی، اسی طرح ان کا تولد ہونے پر باتیں کرنا اور غالباً انھوں نے وہی دو ایک باتیں کیں جو اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ نے ان میں بھردی تھیں۔ ریکارڈ میں جتنا کچھ بھرا ہوتا ہے، وہی بجتا ہے۔ اس کے بعد وہی گھر ڑگھس گھر ڑگھس رہ جاتی ہے)

بچے آہستہ آہستہ وہی زبان سیکھنا شروع کر دیتے ہیں جو ان کے گرد وپیش میں یا ان کو مخاطب کر کے بولی جاتی ہے، یہیں تک کہ اگر کسی حبشی کا بچہ کسی فرنگی ماحول میں پرورش پائے تو وہ حبشی زبان نہیں بلکہ فرنگیوں کی زبان بولے گا، اس لیے کہ یہ ایک اکتسابی چیز ہے، فطری نہیں۔ آدمؑ اور حواؑ کو خدا نے زبان سکھائی، یعنی علم الاسماء کلھم [۲۱]۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ سچ مچ آدمؑ و حواؑ ٹھیک اسی طرح منجھی ہوئی زبان پیدا ہوتے ہی بولنے لگ گئے تھے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ اہلیت رکھ دی ہے کہ وہ اپنے اظہار خیال کا ایک آلہ ضرورتوں کے مطابق بنالے۔

آں جہانی برنرڈ شا نے اسی نقطے کو پیش نظر رکھ کر ایک ڈرامہ لکھا ہے کہ کس طرح حواؑ اور آدمؑ نے مل کر اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر چند الفاظ گھڑے۔ ڈرامے کا نام تو مجھے یاد نہیں اور نہ ہی وہ کتاب میرے پاس ہے، البتہ آٹھ دس سال ہوئے، میں نے وہ کتاب پڑھی ضرور تھی۔ کسی اچھے کالج کی لائبریری میں وہ کتاب ضرور مل سکتی ہوگی۔ [۲۲]

زبان نے دوسری چیزوں کی طرح ارتقائی منازل طے کیے، اس لیے اس کی ایک تاریخ ہے اور یہ تاریخ زبان بھی تاریخ آدم (انسان) کا ایک شعبہ ہوا۔

کوزہ بھر گیا ہے، اب میں مزید پانی کو گرانا نہیں چاہتا۔ دعا کے ساتھ رخصت کا طالب ہوں۔

آپ کا

ا۔ح

(۷)

بیت الامین

میانہ پورہ، شہر سیالکوٹ

۳۱۔۶۔۵۹

عزیزی اختر صاحب سلامت باشند

السلام علیکم۔ آپ کا ۱۶۔ جون کا خط ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ اصل بات یہ ہے کہ میں کوتاہ قلم ہو چکا ہوں اور شاذ و نادر ہی خطوط نویسی کرتا ہوں۔ دوسرے پچھلے ہفتہ عشرہ گھر میں چند عزیز مہمان آئے ہوئے تھے، اس لیے لکھنے پڑھنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ تیسرے ان دنوں گرمی اس شدت کی پڑی ہے کہ دوزخ کی آگ کا منظر آنکھوں کے آگے پھرتا رہا۔

میں آج کل قریب قریب ''ماورائی'' ہو گیا ہوا ہوں۔ دنیا سے پہلے ہی بس رسمی سا تعلق تھا لیکن اب وہ بھی توڑ چکا ہوں۔ فرصت کی گھڑیوں میں ماورئی کی سیریں رہتی ہیں اور بس۔ زیادہ تر اللہ اللہ سے کام ہے یا تھک جانے پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دن میں دو تین بار سو کر گزار لیتا ہوں۔

میری خیریت کی خبر کا شوق ہو تو ''ساقی'' کراچی ضرور منگائیے۔ اگر آپ ''ساقی'' منگاتے ہوتے تو اس میں عزیزہ ثریا کے انتقال پُر ملال کی خبر آپ کو ضرور ہو جاتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پچھلے دنوں قبلہ ڈاکٹر صاحب تشریف لائے تھے، پھر پسرور میں ڈیرے ڈال چکے ہیں۔ والسلام

خیر طلب

محمد مسیح پال

(۸)

بیت الامین، میانہ پورہ

شہر سیالکوٹ (مغربی پاکستان)

۶۰۔ا۔۱۰

عزیزی بشیر محمود اختر صاحب سلامت باشد

سلام مسنون۔ آپ کا ۸ ماہ حال کا گرامی نامہ کل مل کر باعث مسرت ہوا۔ ''نوائے وقت'' میں کسی امین نواز کی تحریر میری نظر سے کیا گزرتی، مطالعہ کرنے کے لیے نظر ہو بھی! میں نے کافی عرصے سے اخبار اپنی کبرسنی کے بڑھتے ہوئے عارضوں کے ہاتھوں پڑھنا ترک کر دیا ہوا ہے۔ آپ نے اچھا کیا کہ اقتباس اپنے قلم سے نقل کر کے مجھے بھیج دیا۔

خدا جانے یہ کون حق جُو وحق گو مومن قسم کے صاحب ذوق نوجوان ہیں کہ ان کی نگاہ میں میری شاعری کی اتنی وقعت ہے۔ خدا انھیں جزائے خیر دے۔ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ غالباً یہ کوئی پنجابی صاحب ہی ہیں ورنہ مدعیان زبان اُردو سے تو مجھے توقع نہ کبھی تھی اور نہ آئندہ ہے کہ ان کے قلم سے میری شاعری سے متعلق کوئی کلمہ تحسین ٹپک سکتا ہے۔ زبانی تو بچھ بچھ جاتے ہیں لیکن عمل دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔

''نوائے وقت'' والوں نے بھی بڑی جرأت مندانہ عنایت فرمائی کہ ایسے خط کو یا اس کے اقتباس کو اپنے پرچے میں جگہ دی۔ میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کون صاحب ہیں تو کم از کم بذریعہ خط ان کی امین نوازی کا شکریہ تو ادا کر دوں۔

موج رُکے بغیر آغوشِ ساحل سے سینہ نہیں ملا سکتی۔ مجھے اتنی فرصت ہی نہیں اور نہ ہی اتنی توفیق کہ مدوّن شدہ کلام شائع کروا سکوں۔

ہر دو اڑھائی سال بعد میرا نقطۂ نظر بلند تر ہو جاتا ہے اور میں نئے دور کی کیفیتوں میں گم ہو جاتا ہوں۔ ماورائیت تو ادب ہوش سنبھالنے کے دن سے میری رگ رگ میں سموئی گئی ہے۔ آج سے ایک سال پہلے تک برق پا گامزنی سے جستجو تو تھی اور منزل نظر میں بھی تھی مگر دھندلی سی لیکن خدا کے فضل سے وہ دھند اور غبار فضا میں گم ہو گیا ہے۔ منزل سامنے ہی نہیں بلکہ میں منزل میں قدم رکھ چکا ہوں اور اس منزل مقصود کے پُر کیف نظاروں میں گم ہوں۔ کبھی آنا ہو تو نئے دور کا کلام سن اور پڑھ لینا بڑی بے پناہ چیز ہے۔

تکلیف فرمائی کے صلے میں ایک تازہ ترین نظم ملفوف کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے گا (شرط یہ ہے کہ یہ قطعات آپ اپنے خوش ذوق احباب کو سنا تو سکتے ہیں لیکن انھیں نقل کی اجازت نہیں دے سکتے اور نہ ہی کسی پرچے میں اسے اشاعت کے لیے بھیج سکتے ہیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقط والسلام۔ دعائے خیر پر اس خط کو ختم کرتا ہوں۔

دعا گو

درویش کافر جامہ

امین حزیں سیالکوٹی

بجائے قطعات کے جو زرا گہرے ہیں، تازہ ترین غزل ہی نقل کر کے بھیجتا ہوں:

غزلِ سرمدی

ہر ذرہ جس کا شمع سر کوہ طور ہے
اس خوش نصیب خاک کو حاصل حضور ہے

توڑا ہے جس نظر نے حصار جہات کو
وہ بے نیاز مخمصۂ نزد و دور ہے

ساقی کی چشم مست ہے جس رند کی ''سبیل''
اس کی بلا سے جام اگر چُور چُور ہے

نسبت ہے اس کو جانے شراب طہور سے
وہ جو نگاہ ناز کی مے میں سُرور ہے

ہوتی رہی ہے مجھ سے ہی پیوستہ بھول چوک
لا ریب، اے حضور! مرا ہی قصور ہے

اُس شاعری کو ''بے ادبی کا ادب'' کہیں
جو شاعری ''مظاہرۂ لا شعور'' ہے

درپیش کوئی مرحلۂ نو امیں ہے کیا؟
دقت کا ان دنوں جو بلا کا وفور ہے

''لاشعور'' [۲۲] یعنی Sub-Conscious Mind کو قرآنی زبان میں نفس امّارہ کہا گیا ہے جس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

ان النفس لا مارة بالسوء، و الفحشاء و المنکر [۲۳]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۹)

بت الامین، محلہ میانہ پورہ
شہر سیالکوٹ، مغربی پاکستان
۶۰-۲-۳

عزیزی بشیر محمود اختر صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا ۱۴ جنوری گزشتہ کا خط تو جب ہی سے مل گیا ہوا ہے لیکن پچھلے دو تین ہفتوں میں طبیعت کچھ ٹھیک نہ رہی، خط کیا لکھتا۔ تمام دن دھوپ میں اونگھتے گزر جاتا رہا۔ الحمدللہ! اب میں کافی اچھا ہو گیا ہوں۔

لڑکا بغل میں ڈھنڈورا شہر میں...... میں "نوائے وقت" کے مراسلات میں نوٹ لکھنے والے کا کھوج ہی لگاتا رہا لیکن اخبار ہی نہ ملا ورنہ معما حل ہو جاتا کہ نوٹ لکھنے والے آپ ہیں۔ خیر ! جو کچھ ہو گیا، اچھا ہو گیا لیکن آپ کی بجائے کوئی اور صاحب ہوتے جن سے میرے آپ جیسے مراسم نہ ہوتے تو مجھے زیادہ اور حقیقی خوشی ہوتی۔ بہر حال! آپ کی جرأت رندانہ کا شکریہ!

امید ہے کہ آپ اپنے مطالعے کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہوں گے اور آپ کی صحت بھی اچھی ہوگی۔ کچھ نیا کام کرنے سے پہلے رسمی تعلیم کی تکمیل بے حد ضروری ہے۔ تکمیل کے بعد عمر بھر کام ہی کرنا ہے۔

تازہ ترین واردات لف ہذا ہیں۔ سابقہ شرائط اس پر بھی لاگو ہیں بلکہ یہ مستقل شرائط ہیں۔ والسلام

خیر طلب
درویش کافر جامہ
امین حزین سیالکوٹی

(۱)

امیدوں اور ارمانوں کے قصے
ادھورے کے ادھورے رہ گئے ہیں
نشیمن کیا بناتے بلبل زار
کہ تنکے بارشوں میں بہہ گئے ہیں

(۲)

امیدوں اور ارمانوں کے قصے
بظاہر تو تھے طوبیٰ ہی کے دانے
شجر لیکن کوئی بھی ہو نہ پایا
کیے وہ وہ ستم آب و ہوا نے

(۳)

امیدوں اور ارمانوں کے قصے
قیامت تک ادھورے ہی رہیں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی کے ہاتھ میں ہے جبکہ تکمیل
یا بارِ غم بہ مجبوری سہیں گے

(۴)

امیدوں اور ارمانوں کے قصے
امیں تکمیل کو پہنچا سکیں کیا!
یہی تو ماورائی گتھیاں ہیں
"دری کی انگلیاں" سلجھا سکیں کیا!

دریش کا فرجامہ
امین حزیں سیالکوٹی

پروفیسر حمید احمد خان[۲۴]

(۱)

VICE-CHANCELLOR
SENATE HALL, LAHORE
(PAKISTAN)

اکتوبر ۱۹۶۸ء

عزیزِ مکرم

السلام علیکم۔ "انجمن" کا پہلا شمارہ ملا۔ آپ کی ہمت قابلِ داد ہے کہ طرح طرح کی مشکلات کے باوجود آپ لندن سے اس ماہنامے کا اجرا کر سکے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا نقش ثانی ان شاء اللہ نقش اول سے بہتر رہے گا۔ اس سلسلے میں یہ مدنظر رکھیے کہ غیر موزوں اشعار کسی موقر رسالے میں شائع نہیں ہوتے۔ "انجمن" کے پہلے شمارے میں یہ احتیاط ملحوظ خاطر نہیں رہی۔

چونکہ آپ نے یہ ماہنامہ پردیس میں جاری کیا ہے، اس لیے اپنے وطن کی خبریں اور دیگر کوائف اس ماہنامے کے ذریعے سے دور افتادہ اہل وطن کو پہنچتے رہیں تو ضرور اُن کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

میں آپ کی کامیابی کے لیے دست بہ دعا ہوں۔

مخلص

حمید احمد خاں

جناب بشیر محمود اختر صاحب
ایڈیٹر ماہنامہ "انجمن"
لندن۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)

مجلس ترقی ادب

۲۔کلب روڈ، لاہور

۳۰مارچ ۱۹۷۱ء

عزیزم پروفیسر بشیر محمود اختر صاحب

السلام علیکم۔آپ کا ۲۳مارچ کا لکھا ہوا خط چند روز ہوئے مل کر باعث مسرت ہوا۔آپ نے یوم اقبال کے لیے جس مختصر سے پیغام کی خواہش ظاہر فرمائی ہے، وہ منسلک کر رہا ہوں۔والسلام ہے

خیر طلب

حمید احمد خاں

(پیغام)

علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کے رفیع الشان مقاصد کا جو خاکہ ہماری رہنمائی کی غرض سے چھوڑا ہے، اس کی صحیح تعبیر کے لیے الحمدللہ کہ پاکستان کی اسلامی مملکت وجود میں آ چکی ہے۔اب وقت ہے کہ ہم اسلام کے انقلابی پیغام کو چراغ راہ بنائیں اور اپنی ذاتی زندگی کے علاوہ اپنی حیات اجتماعیہ کو بھی وہ صورت دیں جو دین برحق کی شان کے شایاں ہو۔

دورِ حاضر میں ہمارے لیے ذوق ایمان کو تازہ کرنے کا سب سے نشاط انگیز وسیلہ اقبال کا اُردو اور فارسی کلام ہے۔اس کے مطالعے سے قرانِ حکیم کی بصیرت افروز معنویت تک پہنچنے کا جذبہ خود بخود پیدا ہوتا ہے اور اُسوۂ رسول مقبول کی پیروی کی تڑپ دلوں میں بیدار ہو جاتی ہے۔ہم ہر سال عالم اسلامی کے اس عظیم مفکر و شاعر کی یاد میں جلسے منعقد کرتے ہیں اور ان جلسوں میں کلام پاک کی تشریح بصورت مقالات پیش کرتے ہیں۔میری گزارش اس سلسلے میں یہ ہے کہ ہمیں ایسی ہر تقریب میں نوجوانان پاکستان کے دل و دماغ کو از سرِ نو جگانے کے لیے علامہ اقبال کے منتخب اشعار بھی خاص اہتمام سے پیش کرنے چاہئیں تا کہ ان کی یہ دعا پوری ہو سکے۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے !
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

حمید احمد خاں

لاہور

۳۰۔مارچ ۱۹۷۱ء

(۳)

مجلس ترقی ادب

۲۔کلب روڈ، لاہور

۱۸۔اپریل ۱۹۷۲ء

عزیز گرامی قدر

السلام علیکم۔نوازش نامہ مورخہ ۸۔اپریل موصول ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی فرمائش کی تعمیل میں آپ کی مجلس ادب کے یومِ اقبال کے لیے مختصر سا پیغام منسلک ہے۔

خیر طلب

حمید احمد خاں

جناب پروفیسر بشیر اختر صاحب ایم۔اے
گورنمنٹ کالج، مانسہرہ
ضلع ہزارہ، صوبہ سرحد

(پیغام)

آج قوم پاکستان پھر ایک بار حکیم الامت کی یاد تازہ کر رہی ہے جن کی فراستِ ایمانی نے ملت اسلامیہ کی تقدیر کو بے حجاب دیکھا اور دہکتے ہوئے لفظوں میں بنی نوع انسان کے لیے ایک نئے مستقبل کا اعلان کیا۔

اقبال کا تصورِ خودی کوئی ساکن و جامد نقطہ نہیں ہے بلکہ نفس انسانی کی حرکت و حرارت کی ایک بے پناہ لہر ہے جو زندہ انسان کو نت نئے طوفانوں سے مقابلہ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ع

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی

انسان کی یہ فاتحانہ یلغار اسے منزل بہ منزل اس عظیم نصب العین کی سمت میں آگے لے جارہی ہے جو اس کے لیے مقدر ہے۔ اس غیر مختتم سفر میں اس کی فطرت کے نامحدود ممکنات منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ پیہم انقلاب زندگی کی سب سے بڑی علامت ہے۔ اس حرکت سے کٹ کر قومیں مرجاتی ہیں۔

یہی نشاں ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

یوں تو اقبال کا پیغام ہر حال میں حرکت وقوت کا پیغام ہے مگر آج ہماری قوم جس حادثۂ کبریٰ سے دوچار ہے، اُس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے نفس اجتماعی کو اس انقلاب کے لیے تیار کریں جس کی طرف ہمیں اقبال نے پکارا ہے۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

حمید احمد خاں

(۴)

مجلس ترقی ادب

۲۔کلب روڈ، لاہور
یکم ستمبر ۱۹۷۲ء

مکرمی بشیر محمود صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا ۲۶۔ اگست کا لکھا ہوا خط مل کر باعث مسرت ہوا۔ آپ نے مطالعۂ اسلام کی غرض سے مانسہرے کے نوجوانوں کا جو حلقہ قائم کیا ہے، اسے میں ایک مبارک فال سمجھتا ہوں۔ قیام پاکستان کے بعد سے اکثر لوگوں نے یہ قرار دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا تھا کہ حقائق دینیہ کا سمجھنا اور سمجھانا تحصیل حاصل ہے یا کم از کم ان حقائق کا ادراک بغیر ارادے اور کاوش کے ممکن ہے۔ الحمدللہ کہ آپ نے بے نیازی کی اس رسم کو توڑا۔ خدا آپ کو کامیاب کرے اور آپ کے ارکان و رفقا پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

باقی رہا میرے ادارے کی مطبوعات کا سوال، سو آپ کو شاید اطلاع ہے کہ مجلس ترقی ادب ایک ادبی ادارہ ہے۔ اس کی مطبوعات (شعر، ڈراما، داستان) اگرچہ دلچسپ چیزیں ہیں لیکن آپ کے مطالعۂ دینی سے ان کا براہ راست تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ شاید آپ مجلس کو (جس سے میں ۱۹۷۰ء سے وابستہ ہوں) ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا شریک کار سمجھتے ہیں۔ دراصل ادارۂ ثقافت اسلامیہ ایک علیحدہ ادارہ ہے جس کے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام صاحب ہیں۔ اس بنا پر میں اپنے ادارے کی مطبوعات بھیجنے کے معاملے میں آپ کی فرمائش کی تعمیل نہیں کر سکا۔ والسلام والدعا

خیر طلب

حمید احمد خاں

جناب بشیر محمود صاحب

سیکریٹری، اسلامک اسٹڈیز سرکل

سمن زار، نزد گرلز ہائی سکول،

مانسہرہ (ہزارہ)

جوش ملسیانی[۲۵]

(۱)

نکودر، ضلع جالندھر مشرقی پنجاب

۱۸۔ جولائی ۵۲ء

اخلاص پرور مشفقی قاضی صاحب زاد لطفہ

یاد آوری اور حسن ظن کا شکریہ۔ آپ کے نام کے ساتھ لفظ قاضی پڑھ کر حضرت امیر مینائی کا یہ مطلع یاد آ گیا۔

قاضی بھی اب تو آئے ہیں بزمِ شراب میں
ساقی ہزار شکر خدا کی جناب میں!

مضمون اگرچہ رندانہ چھیڑ چھاڑ کا ہے، اُردو اور فارسی کی شاعری میں اس چھیڑ چھاڑ سے نہ زاہد و عابد محفوظ رہے ہیں، نہ واعظ اور ناصح، محتسب بھی اسی عتاب زدہ جماعت کا ایک رکن ہے مگر امیر مرحوم نے مزاحیہ مضمون اور رندانہ بے باکی میں بھی اسلوب بیان کے ذریعے قاضی کی عظمت و فضیلت کا پورا احترام کیا ہے اور پوری قوت سے اس عظمت کو سنبھالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ حضرت داغ مرحوم اس احترامی کوشش میں ان سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ساقی نہ رسم ترک ہو شربِ مدام کی
پہلے چھڑک زمین پہ قاضی کے نام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب ناؤنوش کی بے باکانہ صحبتوں میں یہ بزرگ قاضی کے مذکور میں اتنے محتاط ہیں تو میرا فرض بھی یہی ہے کہ انھی کے نقش قدم پر چلوں اور آپ کو اسی احترام کی نظر سے دیکھوں، خاص کر اس وجہ سے بھی کہ آپ کا ادبی شوق اور آپ کے قابل تقلید ادبی مشاغل بھی بہت کچھ احترام طلب ہیں۔ شعرا اور مشاہیر ادب کے معمولی اور نجی خطوط کو بھی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھنا اور ان کا طلب گار رہنا آپ کے ذوق ادب کا نمایاں ثبوت ہے۔ اس ذوق ادب کو تمام اہل ادب داد طلب بلکہ تحسین طلب کہیں گے۔

زیادہ اظہار خلوص ومحبت

جوش ملسیانی

(۲)

نکودر، ضلع جالندھر، مشرقی پنجاب

۲۔ ستمبر ۵۲ء

اخلاص پرور قاضی صاحب زادلطفہ

محبت نامے اور یاد آوری کا سپاس گزار ہوں۔

استفسارات کے جوابات یہ ہیں:

۱۔ میں اسی ادب کو ادب سمجھتا ہوں جو کسی نہ کسی پہلو سے زندگی بخش اور حیات افروز ہو۔

۲۔ میرے خیال میں اچھا شعر وہ ہے جس میں تخیل اور زبان دوش بدوش ہوں اور جو کسی انسانی جذبے کا ترجمان ہو اور جسے سن کر روح کو کیفیت حاصل ہو۔

۳۔ طبیعت میں ادبی جوش تھا، اس لیے جوش تخلص تجویز کیا۔

۴۔ میرے پسندیدہ اشعار میں سے چند شعر:

وہ جھلک اپنی دکھا کر خود بھی پنہاں ہو گئے
اور مجھ کو بھی مری نظروں سے پنہاں کر دیا

گریۂ شرم گنہ سے اور رسوائی ہوئی
داغ عصیاں میں نے دھو دھو کر نمایاں کر دیا

☆

بدگمانی نے مری وحشت بڑھا دی اور بھی
اور بھی گم ہو گیا میں رہ نما کو دیکھ کر

☆

جل بجھا وہ شمع پر، میں مرمٹا اس رشک میں
موت پروانے کی تھی یا موت کا پروانہ تھا

☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے پینے سے جل اٹھتا ہے جگر اے ساقی!
بھر دیا کیا یہ مری عمر کے پیمانے میں

☆

اُن سے ہم ترکِ تغافل کا تقاضا نہ کریں
اس کا مطلب یہ کہ جینے کی تمنا نہ کریں
یہ تو اے شرطِ محبت کوئی انصاف نہیں
ہم تمنا تو کریں، عرضِ تمنا نہ کریں

زیادہ اظہارِ خلوص

جوش ملسیانی

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی[۲۶]

(۱)

شیخ الجامعہ کراچی یونیورسٹی، کراچی
(۶۔اپریل ۷۱ء)

مجھے یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ گورنمنٹ کالج صوابی میں یوم اقبال منانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اقبال کو ہماری نشاۃ ثانیہ کی تاریخ میں بڑا دخل ہے۔ تحریک پاکستان ان کے فلسفے اور تعلیمات سے اس درجہ متاثر تھی کہ اگر اسے اقبال کے عقائد کی تفسیر کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ ہمارے نوجوانوں کو ان خیالات سے متعارف کرنا اور ان میں علامہ اقبال سے عقیدت پیدا کرنی تعمیر ملت کا بڑا ذریعہ بن سکتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تقریب ہر اعتبار سے کامیاب اور طلبہ کے احساس ملی کو بیدار کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

اشتیاق حسین قریشی

(۲)

بسمہٖ تعالیٰ

زیبا منظر
۱۔شرف آباد
شہید ملت روڈ، کراچی ۵
۲۳۔فروری ۷۶ء

مکرمی، سلام مسنون۔

گرامی نامہ مورخہ ۱۷۔فروری آج موصول ہوا۔ اس سے قبل ''انجیلِ برناباس کا مطالعہ'' کا ایک نسخہ رجسٹری کے ذریعے مل گیا تھا۔ بہت بہت شکریہ۔

میں نے اس کا مطالعہ فوراً کیا۔ میرا خیال ہے کہ اس کتاب میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے، مزید شرح و بسط کی ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اتنے اختصار سے موضوعات تشنہ رہ جاتے ہیں۔ پولس اور برناباس کے تنازعہ اور پولس کی تحریک پر اور روشنی ڈالنی چاہیے، نیز اُس انجیل کے متعلق جسے آج کل کلیسا نے قبول کر رکھا ہے، ایسے مغربی مصنفوں کی تنقید جنھوں نے اس کے غیر مستند ہونے پر بحث کی ہے، اضافہ شدہ نسخے میں شامل ہو جائے تو بہتر ہے۔

پھر اس اعتراض کا جواب کہ برناباس کی انجیل میں کسی مسلمان نے تحریف کی، زیادہ غور سے دیکھنا چاہیے۔ قرآن مجید نے جناب مسیح اور حضرت مریم کا جس طرح ذکر کیا ہے اور الوہیت مسیح کی تردید کی ہے، وہ نقطۂ نظر عقل سلیم سے قریب تر ہے، نیز حضور کی عبدیت اور بشریت پر جو زور دیا گیا ہے، وہ محض تاریخی نقطۂ نظر سے مسیحیت کی غلطی سے بچنے کی تدابیر کو مؤثر بنانے کا مؤثر طریقہ تھا لیکن بہر نوع یہ امر حضورؐ کے ذہن نشین ضرور وحی کے ذریعے سے کر دیا گیا کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ محض تحریف کا نتیجہ تھا۔ اس تحریف کا مقصد پولوس کی تحریک سے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس طرح کڑی سے کڑی ملتی چلی جاتی ہے۔

ان شواہد کے پیش نظر برناباس کی انجیل کی صحت عقلی طور پر ظاہر ہو جاتی ہے، نیز قرآن میں اس امر کا صریح ذکر ہے کہ حضور کی بعثت کی پیش گوئی پچھلی کتب سماوی میں موجود تھی۔ اس لیے انجیل برناباس میں وضاحت سے اس بشارت کی موجودگی قرین قیاس ہے۔ اس دلیل سے کہ حضور کی پیدائش سے قبل ایسی پیش گوئی بعید از قیاس ہے، برناباس کی انجیل میں تحریف ثابت نہیں ہوتی، مزید برآں کتب سماوی کی بشارتوں کو معمولی تاریخ کی کتابوں کے معیار سے مسترد کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ تو ان کتابوں کو انسان کی تصنیف سمجھا جائے یا اگر یہ لفظی یا معنوی اعتبار سے (میں نے یہ اس لیے لکھا کہ موجودہ مسیحی یہ کہتے ہیں کہ انجیل لفظی وحی نہیں بلکہ معنوی وحی، یعنی مطالب و تعلیم کے اعتبار سے وحی ہے) وحی ہیں تو پھر ان میں انسانی علم کی دسترس سے باہر کی باتوں کا ہونا مناسب ہے ورنہ وحی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور برناباس حضرت عیسیٰؑ کا قول درج کرتا ہے جو وحی پر منحصر ہوگا، اس لیے کہ نبی اپنی طرف سے پیش گوئی نہیں کرتا۔

افسوس کہ میرے پاس انجیل برناباس کا جو انگریزی نسخہ تھا، وہ اب نہیں ملتا، یعنی میرے پاس نہیں ہے اور گم ہو گیا ہے۔ جہاں تک انگریزی کے مسودے کو پڑھ کر مشورہ دینے کا تعلق ہے تو اس کے لیے میں حاضر ہوں، البتہ چونکہ علیل ہوں، علاج کی غرض سے انگلستان ایک مہینے کے لیے جانے کا ارادہ کر رہا ہوں اور انشاء اللہ ۱۲ مارچ کو روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ دینی خدمت ہے، اس میں ادنیٰ سی شرکت میرے لیے سعادت ہے۔ آپ اس خدمت میں شرکت کا جو موقع فراہم کریں گے، مجھ پر کرم کریں گے۔ والسلام

مخلص

اشتیاق حسین قریشی

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زیبا منظر

۹ مارچ ۱۹۷۶ء

مکرمی، سلام مسنون

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آپ کے خط کا جواب دینے میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی۔ اس کے دو سبب تھے۔ ایک تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھاپے اور مسلسل علالت کے باعث توانائی کی کمی، دوسرے انگلستان جانے کے سلسلے میں خط و کتابت اور ضابطوں سے عہدہ برآئی۔ بہر نوع آج مضمون واپس کر رہا ہوں۔ میری بد خطی سے اندیشہ ہے کہ بعض جگہ میری تحریر پڑھنے میں نہ آئے، اگر چہ میں نے بعض جگہ دو دو مرتبہ لکھ کر اسے پڑھنے کے قابل بنانے کی کوشش کی ہے۔

اس مضمون کے متعلق چند امور قابل گزارش ہیں، وہ تحریر کرتا ہوں:

۱) جہاں عبارت کسی کی انگریزی عبارت سے نقل کی گئی ہے، وہاں میری اصلاح کے علی الرغم اسے بجنسہٖ اسی طرح نقل کیا جائے جیسی وہ اصل میں ہے۔

۲) جہاں انگریزی میں خود آپ کا ترجمہ ہے، اس میں اصلاحات کو قبول کر لیا جائے، بشرطِ پسندیدگی۔

۳۔ ناموں کا بڑا جھگڑا ہے۔ اُردو اور عربی میں مثلاً کریمر لکھا جائے گا، جرمن زبان میں یہ نام عام طور پر Kraemer لکھا جاتا ہے، البتہ اگر عربی یا اُردو میں لاطینی رسم الخط میں کوئی نام درج ہو تو اسی طرح نقل کیا جائے۔

۴) بعض نام دراصل ایک ہیں لیکن ان کے ہجے میں فرق ہے، ممکن ہو تو اس کی تحقیقات کر لی جائے۔

۵) نقل شدہ عبارت کو Inverted Commas میں لکھا جائے۔

۶) میں انشاء اللہ اگلے ہفتے انگلستان بغرض علاج جا رہا ہوں۔ میرا ارادہ ۲۵۔ اپریل کو واپسی کا ہے۔ انگلستان میں نہ پتے کا ٹھیک ہے، نہ کسی اور بات کا، ڈاکٹروں کے ہاتھ معاملہ ہوگا۔ اگر آپ کو بہت عجلت نہ ہو تو بقیہ حصہ میری واپسی پر ہی بھیجیں، انشاء اللہ دیر نہیں لگے گی۔ میری روانگی ۱۶۔ مارچ کو ہے۔ اگر اس سے قبل آپ کا خط آیا تو روانگی سے قبل جواب دینے کی کوشش کروں گا لیکن ظاہر ہے کہ تازہ مضمون کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ رجسٹری کے مقابلے میں سادہ ڈاک دو ایک دن پہلے پہنچتی ہے لیکن کوئی ایسی چیز جس کے تلف ہونے سے نقصان ہوتا ہو، سادہ ڈاک سے بھیجنی مناسب نہیں ہے۔

والسلام مع الاکرام

اگر کسی جگہ تحریر سمجھ میں نہ آئے تو استفسار کر لیں۔ غلطی سے یہ خط رجسٹری میں بند ہونے سے رہ گیا۔ علاحدہ بھیج رہا ہوں، رسید سے مطلع کریں۔ رجسٹری کے ساتھ شاید کوئی اور خط بند ہو گیا ہے۔ اسے براہ کرم واپس کر دیں۔ اگر نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

مخلص

اشتیاق حسین قریشی

(۴)

مکرمی، وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے سخت ندامت ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے میں اتنا عرصہ لگا۔ اب ارسال خدمت ہے۔

موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول درج ہے کہ میں قانون کو بدلنے کے لیے نہیں آیا ہوں لیکن پال نے توریت کے قانون کو ہر معاملے میں بدل دیا، ختنہ، حرام وحلال، توحید وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایک مضمون میں یہ دکھایا جائے کہ برناباس کی انجیل نے توریت کے قانون کو قائم رکھا ہے اور پال نے اس میں تحریف کی تو شاید اس کا اثر اچھا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم نہیں کہ یہ مضامین کہاں چھپ رہے ہیں؟ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ انجیل برناباس کا اُردو ترجمہ شائع کیا جائے؟

والسلام

مخلص

اشتیاق حسین قریشی

۱۷/۱ اکتوبر ۷۶ء

ا۔شرف آباد

شہید ملت روڈ، کراچی ۵

حفیظ جالندھری [۲۷]

(۱)

ابوالاثر حفیظ جالندھری

ہلال امتیاز (پاکستان)

۴۳۔جی۔ماڈل ٹاؤن

لاہور

پنسل سے لکھنے کی معافی چاہتا ہوں

۷۸۶

۸/۴/۷۱

میرے کرم فرما......بشیر محمود صاحب سلام مسنون قبول کریں۔

میں بہت علیل ہوں۔آپ کے خط کا جواب جلد نہ دے سکا۔نہیں چاہتا کہ آپ میری اس معذوری کو تغافل سمجھیں۔ اس لیے یہ عقیدت نامہ حاضر ہے۔میں اقبال کو جو کچھ دیکھتا ہوں، نظم کر دیا ہے۔آپ اسی کو پیغام سمجھ کر کسی سے اس بزم میں سنوا دیں، فقط اس گزارش کو ملحوظ رکھیں کہ وہ صاحب سنائیں جو شعر کو اچھی طرح ادا کر سکیں۔

دعا گزار

حفیظ

وہ مفکر جس کی یہ تصویر ہے، اقبال ہے
جس کا نطق اسلام کی تفسیر ہے، اقبال ہے
صبح جس کے خواب کی تعبیر ہے، اقبال ہے
روئے ملت جس سے پر تنویر ہے، اقبال ہے

قوم کیسے جاگ اٹھی، اس راز میں اقبال ہے
قم باذن اللہ کی آواز میں اقبال ہے
نغمۂ لا تقنطوا من رحمتہ اللہ کا سرور
بہر ہر مہجور ہے جس ساز میں اقبال ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عاشق صادق، رسولؐ اللہ کا اقبال ہے
پیکر پُرسوز اشک و آہ کا اقبال ہے
طالب حق کو ہے لازم اتباع مصطفےٰؐ
آج مخبر اس نشان راہ کا اقبال ہے

ذہن انسانی پہ قرآنی اثر اقبال ہے
باعث ہم رنگیٔ قلب و نظر اقبال ہے
رحمتہ للعلمینؐ کے در پہ جانے کے لیے
میں بھی ہوں راہی، مرا بھی راہبر اقبال ہے

(۲)

ابوالاثر حفیظ جالندھری
۴۷/جی۔ماڈل ٹاؤن (لاہور)
۲۔دسمبر۷۳ء

میرے کرم فرما جناب بشیر محمود صاحب لکچرر کی خدمت میں سلام مسنون

آپ کا ۲۷ نومبر کا لکھا ہوا مکتوب مجھے بھی ابھی ملا۔ یہ ۲۔دسمبر کی شام ہے۔تندرست نہیں ہوں۔ دل کا عارضہ لاحق ہے،اس لیے فوراًاسی وقت جواب لکھ رہا ہوں۔

ہاں! جناب احمد ندیم قاسمی نے میری اس تازہ کتاب پر جس خلوص و دیانت سے ''جنگ'' میں لکھا ہے، کسی دوسرے ترقی پسند صاحب قلم سے اس کی توقع ہی نہیں ہوسکتی۔ بشیر محمود جی! میرا خیال ہے احمد ندیم قاسمی صاحب کے بارے میں غلط فہمی کچھ زیادہ ہی ہے۔ میرا اُن کا نہ تو دوستانہ ہے اور نہ اُن کا اور میرا حلقۂ اہل قلم واحد ہے۔ میری ان کی ملاقات بھی کبھی کبھار محفل غیر میں، گاہے سرِ راہے گاہے کا معاملہ ہے۔ البتہ میری نظر میں ان کی ہر رنگ کی تحریریں...... براڈ کاسٹ، کالم، نثر، نظم ایک مدت سے ہے۔جس نے مجھے اس بات کا قائل کر دیا ہے کہ وہ مردِ معقول ہیں، ایسے سُرخے نہیں ہیں یا سرخے ہیں ہی نہیں۔ وہ پاکستان کی بقا اور سلامتی کے لیے کوشاں ہیں لیکن اندرونی معاشری خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ہر وقت اُن کا قلم اور اُن کی تگ ودو نظر آتی ہے۔ وہ فیض، جوش یا اُن کے گرگوں کی طرح روسی اور ہندی پیسے کے زور پر پاکستان کو روس اور بھارت کے حوالے کرنے کے مبلغ یا دلال نہیں ہیں۔ یہ ہے میری رائے اُن کے بارے میں اور یہ رائے اپنی بساط بھر اُن کی تحریروں اور اُن کی ہر طرح کی تگ ودو پر نظر رکھتے ہوئے قائم ہوئی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ ان کی رائے آپ تک ''جنگ'' کے ذریعے پہنچی [۲۸] اور بھی بہت سے خطوط احمد ندیم کے اس کالم کی اشاعت کے بعد موصول ہوئے ہیں۔ آپ کے مکتوب کا جواب سب سے پہلے دے رہا ہوں۔

جان ناتواں ہے، تنہا ہوں، گوشہ گیر ہوں......اور چند روز بعد آپ کو انا للہ کہنے کی زحمت مقدر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے استفسار کا جواب یہ ہے کہ ''چراغ سحر'' اگر آپ منگانا چاہیں تو ایوان اُردو، ۳ وشنو گلی، سنت نگر، لاہور کو لکھیں یا میرے ہی پتے پر کالج لائبریری کی وہ فہرست بھیج دیں۔ میں پبلشر کو تلقین کروں گا کہ بہترین مجلدات ارسال کر دیں۔ قیمت بارہ روپے فی جلد ہے۔

اس کتاب کے ساتھ ہی ''بزم نہیں ازم'' ایک مجموعۂ نظم وترانہ ورجز آزادیٔ کشمیر کی خاطر جہدِ مسلسل کے سلسلے میں شائع ہو چکا ہے۔ وہ بہت ہی اہم مجموعۂ نظمیات ہے جو نوجوان طلبۂ اسلام کے لیے شائع کیا گیا ہے۔ اسے بھی فہرست میں درج کر سکے تو کیجیے۔ قیمت کچھ زیادہ نہیں۔ میں نے چار ہزار نسخے صدر آزاد کشمیر کی خدمت میں امدادِ جہاد کے لیے بغیر قیمت لیے ہدیہ کر دیے ہیں۔ اب فروخت کی قیمت چار روپیہ فی نسخہ ہے۔ کاغذ اتنا مہنگا ہے، کتابت وطباعت اتنی گراں ہے کہ اب ''طلوع سحر'' کی اشاعت جب تک زر کی قلت ہے، اس کی طباعت میں التوا ممکن ہے۔ آپ کی دعاؤں کا ہر وقت محتاج۔

حفیظ

(۳)

(اپریل ۱۹۷۴ء)

میرے کرم فرما بشیر محمود صاحب سلام مسنون قبول کریں۔

آپ کا ۲۰ مارچ کا خط فرمائش تازہ لیے ہوئے ملا۔

میں سمجھتا ہوں علامہ اقبال کے بارے میں شاعروں میں سے جتنا میں نے لکھا ہے، اب تک کسی شاعر نے نہ تو ان کی حیات ارضی کے دو، میں اور نہ اُن کے انتقال کے بعد لکھا۔ کوئی ایسی نئی بات مجھے اس وقت سوجھ ہی نہیں سکتی۔ کہنے کے معنی یہ نہ ہونا چاہئیں کہ جو کچھ کہہ چکے ہیں، اسی کو ذرا تکلف سے دہرا دیا جائے۔

اقبال میرے مرشد ہیں۔ میرا کوئی مجموعۂ کلام اُن کی مدح سے خالی نہیں، خاص طور پر یہ تازہ مجموعہ جس کا نام ''چراغِ سحر'' ہے اور جس کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ اب چند ماہ سے ایک نئے جوش وخروش سے اس کا چرچا ہے۔ (مجھے اس جوش وخروش کی خبر نہیں)۔

بہر حال یہ مجموعہ اگر آپ نے منگوا لیا ہوا ہے تو اس میں نوجوان مسلمان طلبہ کے لیے جو نظم درج ہے۔ ''اور جس کی یہ تصویر ہے اقبال ہے'' کے عنوان سے جو کچھ میں نے کہہ دیا ہے، کم از کم میں اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ اگر اقبال رفتہ وگزشتہ نہیں کر دیا گیا تو یہ نظمیات جو میں نے اس کی مدح میں لکھی ہیں، آپ کیوں رفتہ وگزشتہ کرنے کے درپے ہیں۔ ان میں سے جو چاہیں، استعمال فرمائیں۔ پسند نہ ہوں تو لعنت بھیجیے۔

حفیظ

جناب محترم بشیر محمود صاحب لکچرار
گورنمنٹ کالج مانسہرہ
(ضلع ہزارہ صوبہ سرحد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایم اسلم ۲۹؎

(۱)

بارودخانہ، لاہور

۲۶ مارچ ۵۲ء

مکرمی جناب اختر صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا گرامی نامہ ملا۔ شکریہ!

۱۔ ''رواں کے رومان'' تقریباً دو مہینے میں لکھے گئے تھے۔ چوں کہ میں ان علاقوں میں کچھ عرصہ رہ چکا تھا، اس لیے مجھے یہ قصے کہانیاں سننے کا موقع ملتا رہا۔

۲۔ اس وقت تک تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں لکھ چکا ہوں۔

۳۔ مجھے اپنے ناولوں میں سے ''چشم لیلیٰ'' اور ''میری کہانی'' بہت پسند ہے۔

۴۔ میں نے بہت روز سے کوئی افسانہ نہیں لکھا۔ میں افسانوں کا کسی سے معاوضہ نہیں لیا کرتا۔

لیجیے! میں نے آپ کے سب سوالات کا جواب دے دیا ہے۔ آپ کی عنایت ہے کہ آپ کو میری تحریر پسند ہے۔ ناول لکھنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو برائیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی طرف انھیں توجہ دلاؤں اور ان کی اصلاح کی کوشش کروں۔

میرے افسانوں اور ناولوں کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ مجھے شکار کا بہت شوق ہے۔ فرمایئے! آپ کی طرف بھی کوئی شکار ملتا ہے۔

والسلام

نیازمند

ایم اسلم

(۲)

بارودخانہ، لاہور

۳ مارچ ۵۳ء

مکرمی قاضی صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا، شکریہ!

معاف فرمایئے! آپ جس انداز سے خط لکھتے ہیں، اس سے یہ امید نہیں ہوسکتی کہ آپ ایک اچھے افسانہ نگار بھی بن سکتے ہیں۔ اگر آپ کو افسانے لکھنے کا شوق ہے تو افسانے کثرت سے پڑھا کریں۔ جو افسانہ پسند آئے، اُسے بار بار پڑھیں اور دل سے پوچھیں کہ آپ کو کیوں پسند ہے۔ اس کا جو حصہ پسند ہو، اس پر غور کریں کہ لکھنے والے نے کن جذبات کے ماتحت یہ لکھا ہو گا۔ افسانے کے لیے مشاہدے کی بے شک بہت ضرورت ہوتی ہے لیکن مشاہدے سے زیادہ اپنے قلم پر قدرت ہونی چاہیے تا کہ آپ جو کچھ دیکھیں، اسے اس طرح لکھ کر پیش کریں کہ پڑھنے والے کو الفاظ میں بھی وہی تصویر نظر آجائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افسانے کی اصلاح اور نظم کی اصلاح میں بہت فرق ہے۔افسانے کی اصلاح کے لیے افسانہ خود پڑھیں۔آپ کے نقطۂ خیال سے جو خامیاں ہوں، انھیں خود نکالیں اور افسانہ پھر لکھیں۔اگر آپ ایک افسانہ کم از کم تین بار اسی طرح لکھیں گے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا افسانہ پہلے سے کتنا اچھا ہو گیا ہے۔

افسانہ لکھنے کے لیے پہلے کوئی موضوع تلاش کریں، پھر پلاٹ بنائیں۔ پلاٹ بن جائے تو اس کے لیے کریکٹر مقرر کریں۔جتنے کریکٹر کم ہوں گے، اتنا ہی آپ اچھا افسانہ لکھ سکیں گے۔پھر کریکٹروں کے لیے کردار مقرر کریں۔ان کے لیے مکالمہ سوچیں اور کریکٹروں کے منہ سے صرف وہی باتیں کہلوائیں جو روزمرہ کی زندگی میں آپ کی زبان سے نکلتی ہیں۔افسانے میں کوئی مقام ایسا نہیں ہونا چاہیے جو پڑھنے والے کو الجھن میں ڈال دے۔لیکن افسانے میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے افسانوی ادب کا گہرا مطالعہ ضرور ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ[۳۰]

(۱)

اورینٹل کالج، لاہور

۱۵۔جنوری ۱۹۵۸ء

مکرمی سلام مسنون۔

عنایت نامہ موصول ہوا۔یاد فرمائی کا شکریہ۔

میرے متعلق جن خیالات کا آپ نے اظہار فرمایا ہے، میں اس کے لیے آپ کا از حد ممنون ہوں۔

میرے نزدیک ''ادب برائے ادب'' اور ادب برائے زندگی'' دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اقبال سے متعلق ''توحش انگیز افکار'' کی وضاحت خاصی دل چسپ اور تفصیل طلب ہے۔کبھی اس پر مضمون لکھوں گا تو آپ کی الجھن دور ہو جائے گی۔فی الحال بوجہ مصروفیت کچھ نہیں کہہ سکتا۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔فقط والسلام

مخلص

سید عبداللہ

بخدمت شریف جناب بشیر محمود اختر صاحب

بی اے۔بی ایڈ

اسلامیہ مڈل سکول

ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)

معرفت سید عبدالسلام سرور صاحب

سعادت منزل، جیل روڈ، ایبٹ آباد

۲۲۔جولائی ۶۳ء

عزیز۔خط ملا۔شکریہ۔

مصحفی کے سلسلے میں بڑا کام یہ ہے کہ پہلے مصحفی کے لکھے ہوئے تذکرے (عقد ثریا، تذکرہ ہندی گویاں وغیرہ) اور بعد میں مصحفی کا پورا کلام دیکھیے۔ کسی مصنف کی زندگی کے لیے قطعی مواد جتنا اس کے اپنے کلام اور تصانیف سے مہیا ہوتا ہے، کسی دوسری جگہ سے نہیں مل سکتا۔ مصحفی کی فارسی نثری تحریریں بھی پڑھیے اور نوٹ لیتے جایئے۔ حاشیے پر سرخیاں جماتے جایئے، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ نوٹ کے اندر زندگی یا زمانہ یا کلام یا ذہن یا ذوق یا شخصیت یا تنقید کلام کے متعلق کیا مواد موجود ہے۔

مجھے اب یاد نہیں رہا کہ آپ کا خاکہ کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ اس کے عنوان اس میں ضرور ہوں گے۔ مصحفی کے سوانح، اس کی شخصیت، اس کا ذہن، اس کا ذوق...... مصحفی، ایک بشر......اس کی بوالعجبیاں...... بہ حیثیت تذکرہ نگار، بہ حیثیت فارسی شاعر، غزل گو، قصیدہ نگار، ہجو نگار، نظم نگار، مثنوی گو، متفرقات، زمانے کا اس پر اثر، اس کا زمانے پر اثر، اس کے شاگرد، اس کے معرکے وغیرہ وغیرہ بے شمار باتیں ہیں جن کے لیے مواد ابھی جمع کرنا ہے اور سابقہ مواد کی تنقید کرنی ہے، اُردو شاعری میں اس کا مقام، آئندہ شاعری پر اثر، سماجی، تاریخی، ادبی پس منظر، مشاعرے وغیرہ، بری ادبی رسمیں، اچھی ادبی رسمیں......انشا کے علاوہ خود سودا کی شاعری اور میر اور درد کی شاعری کا مواد بھی ضروری ہوگا۔

میرا خیال ہے کہ ان عنوانات کے لیے مواد جمع کرنے کے بعد لکھنے کی مہم کا آغاز مناسب ہوگا۔

پیرسن ڈیو کی "Discovering Poetry" بھی دیکھیے۔ باقی دعا و سلام

مخلص

سید عبداللہ

(۳)

انجمن ترقی اُردو پاکستان، لاہور

۱۷۔ نیو سکیم سٹریٹ، ملتان روڈ، لاہور

۱۸۔اپریل ۱۹۶۶ء

عزیز مکرم، السلام علیکم، مزاج شریف۔

میں ۲۸ کو لائل پور پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ کی انجمن کے مقاصد کا نسخہ اپنی ایک ترمیم کے ساتھ واپس ہے۔

چونکہ لاہور کی انجمن بطور خاص کسی شاخ کا الحاق نہیں کرتی، اس لیے آپ کی انجمن کا بھی الحاق نہیں ہوگا مگر رابطہ ضرور رہوگا۔

اگر دوسرے حضرات مجھے خط لکھیں گے تو انھیں بھی یہی جواب دوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ جس طرح میں کہتا جاؤں، اس کے مطابق عمل کرتے جایئے۔ فتح و شکست کے جھگڑے میں بھی نہ پڑیے۔ اگر یہ لوگ نام پر جھگڑا کرنا چاہتے ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ بلا تکلف دوسرا نام رکھ لیجیے۔ ''مجلس فروغ اُردو'' اور اس کے تحت کام کر کے دکھایئے۔ انجمنیں نام سے نہیں، کام سے شہرت پاتی ہیں۔ غرض نام بدل دینے میں مضائقہ نہیں لیکن یہ تب جب آپ کو یقین ہو جائے کہ جھگڑا پڑ رہا ہے اور ایک ہی نام کی دو انجمنیں بننے والی ہیں ورنہ ابھی خاموش رہیے۔

دوسرے احباب نے مجھ سے مشورہ کیا تو انھیں بھی یہی لکھوں گا، الحاق نہیں، رابطہ...... اور دوسری باتیں جو آپ کو لکھی ہیں۔ دیباچہ بھی جلد لکھنے کی کوشش کروں گا۔ والسلام

شور صاحب کی خدمت میں سلام

مخلص

سید عبداللہ

(۴)

انجمن ترقی اُردو لاہور

۱۷۔ نیو سکیم سٹریٹ، اُردو نگر، ملتان روڈ، لاہور

نذیر احمد کے سلسلے میں دو چار صفحے لکھے ہیں۔ کسی کو بھیج دیجیے، آ کر لے جائے۔

سید عبداللہ

۷۔۶۔۷۷ء

نذیر احمد کی اصلاح پسندی

میرے عزیز بشیر محمود اختر صاحب ایم اے نے (جن کی قابلیت کا میں ہمیشہ معترف رہا) نذیر احمد کے ناولوں کی تلخیص بھی کی ہے اور ان کا فنی تجزیہ بھی کیا ہے۔ میں نے ان کے اس مسودے پر نظر ڈالی ہے اور بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ وہ نذیر احمد سے صحیح واقفیت رکھنے والوں میں ہیں!

نذیر احمد ان خوش قسمت مگر بدقسمت مصنفوں میں سے ہیں جن کو لوگ اس لیے نظر انداز نہیں کرتے کہ نظر انداز کر نہیں سکتے مگر نظر انداز نہ کرنے پر بھی ان کا جی یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی طور نظر انداز ہو جائیں۔

نذیر احمد کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ اُردو کے پہلے ناول نگار ہیں اور یہ بیان اگرچہ حقیقت پر مبنی ہے مگر اس کا مطلب یہ بھی لیا جاتا ہے کہ وہ فنی لحاظ سے معیاری ناول نگار نہیں...... اور معیاری ناول نگار نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کا مقصد اصلاحی ہے اور اصلاح کے جوش میں اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں یا جیسا کسی کردار کو دکھاتے ہیں، دنیا میں ویسا ہوتا بھی ہے یا نہیں!

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ تناسب کا خیال نہیں رکھتے، یعنی یہ لحاظ نہیں رکھتے کہ کسی کردار سے جتنا کام اور جیسا کام لینا چاہیے، وہی لیں اور اتنا ہی لیں۔ حجۃ الاسلام بولتے چلے جاتے ہیں اور ان کی گفتگو اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ گفتگو کی ہر فرصت میں گویا خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ نصوح جب تقریر کرنے لگتے ہیں تو طولِ کلام سے کام لیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اس میں تناسب کی کمی کا بھی شکوہ کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ باتیں اپنی جگہ درست بھی ہوں، تب بھی اس کا کوئی جواز نہیں کہ نذیر احمد کو محض اولین ناول نگار کہہ کر ٹال دیا جائے حالانکہ ہم ''فسانۂ آزاد'' کو ناول کی ایک آدھ شرط پوری کرنے پر بھی بہت بلند ادبی شاہکار کہتے ہیں (اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں)۔

نذیر احمد کے سلسلے میں فن شناسی سے زیادہ کچھ تعصبات بھی کام کرتے ہیں۔ کسی ناول یا ادب پارے کا اصلاحی ہونا بذات خود اس کے درجے اور رتبے کے لیے ثبوت کم تری نہیں۔ ادب کا کام اگر اصلاح نہیں تو کیا ہے! زندگی (جو ہے) کی مصوری، ادب نہیں محض مصوری اور روداد نگاری ہے۔ سچا ادب وہ ہے جو تصویر بھی بنائے اور بہتر زندگی کا آئینہ دکھا کر انسانوں کو پر امید بنائے اور انھیں برتر انسان بننے کا شوق دلائے...... محض مصوری یا روداد نگاری بھی مقصد یا نقطۂ نظر سے خالی نہیں ہوتی۔ ناول میں بالزاک کی سی روداد نگاری کر بھی لی جائے تو کسی مقصد کے سوا یہ روداد نگاری بے معنی ہے۔ روداد نگار بھی ایک نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ اس سے بھی یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ روداد نگاری کیوں کی؟ بالزاک سے یہ سوال کیا گیا اور اس نے اس کا جواب بھی دیا...... میں مزدوروں کی اصلی زندگی لوگوں کے سامنے لانا چاہتا ہوں...... سوال ہوا، کیوں؟ جواب ملا...... تاکہ لوگ اس بد بخت مخلوق کے حال بد سے آگاہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس ساری سعی کے پیچھے ایک جذبہ اصلاح احوال کا کارفرما ہے اور یہ بڑا پاکیزہ جذبہ ہے۔ ایسا جذبہ رکھ کر کوئی مصنف کوئی بھی طریقہ اثر آفرینی کا اختیار کر سکتا ہے!

نذیر احمد کی زیادہ توجہ عورتوں کے مسائل کو سمجھنے سمجھانے میں مرکوز رہی۔ ''توبتہ النصوح'' میں یوں تو نصوح اور کلیم بھی ہیں مگر ان کے پس پردہ بھی یہ فضا موجود ہے کہ عورتیں گھروں کی زندگی کو کس طرح راحت اور نیکی سے مالا مال کر سکتی ہیں۔ نذیر احمد کی یہ تحریریں پرانے زمانے کی عورتوں کے حوالے سے لکھی ہوئی ہیں جو گھر کی چار دیواری میں رہتی تھیں اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس لگن میں گزرتا تھا کہ گھر کے مردوں کے لیے گھر کو کس طرح گوشۂ امن بنایا جائے۔ پرانے زمانے کی عورت، مرد کی خاطر جیتی تھی اور اسی میں اسے راحت ملتی تھی۔ قربانی کا یہ رنگ، انفرادی حقوق کے اس زمانے کے لیے جس میں حقوق ہی حقوق ہیں اور فرائض سے ہر سو اعراض یا غفلت ہے، بڑی حد تک نامانوس ہے، یہی وجہ ہے کہ نذیر احمد کے کردار آج کل کے قاری کو کچھ عجیب سے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی سے وہ بے گانگی پیدا ہوتی ہے جو نذیر احمد کے متعلق دور حاضر کے بعض نقادوں کی تحریروں میں ملتی ہے لیکن یہ بے گانگی صحیح وجوہ پر مبنی نہیں۔ اس میں تعصب کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

اصلاح پسندی کے خلاف بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس میں فن پارے کے داخلی اور خارجی تناسب پر نظر نہیں رہتی۔ ایک اچھے ناول نگار کو اس کا خیال رکھنا چاہیے، اس سے اس کے ادب پارے کی وقعت بڑھے گی لیکن محض اصلاح پسندی پر کوئی جائز اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ فن کی اس درجہ پرستش کرتے ہیں کہ سچائی اور حقیقی اقدار زندگی یا اعلیٰ نصب العین تک کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ ان کی بھول ہے، اگر فن زندگی کا خادم ہے تو اسے اپنی حد میں رہنا چاہیے۔ زندگی کے اعلیٰ نصب العین میری رائے میں فن سے عزیز تر ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اعلیٰ نصب العین اور فن میں کسی تضاد کا احساس رکھتا ہوں۔ دونوں کا یک جا ہونا ممکن ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دونوں کے یک جا ہونے سے نصب العین کی بہتر خدمت کی جا سکتی ہے مگر سچی بات یا اچھی بات وہ ہے جسے ہم فن کہتے ہیں۔ زندگی فن پر مقدم ہے۔

نذیر احمد کے ناولوں میں جھوٹ بہت کم ہے۔ اس نے اپنے زمانے کے مردوں اور عورتوں کو نیک بننے کی تلقین کی ہے، اس کے لیے مثالی نمونے بنانے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت نگاری سچائی کی سب سے نچلی سطح کا نام ہے۔ سچائی کی اعلیٰ سطحیں بہت سی ہیں اور انسان کی یہ آرزو بھی سچی ہے کہ انسان جیسا اب ہے، اس سے بہتر ہو جائے ...کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو یہ کہے کہ انسان کو بہتر نہیں بننا چاہیے!

سید عبداللہ

۷۔ جولائی ۱۹۶۶ء المامن، اُردو نگر، ملتان روڈ، لاہور

(۵)

ڈاکٹر سید عبداللہ ۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء

صدر ادارہ، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

عزیز مکرم! السلام علیکم۔

آپ کا نامہ عزیز مورخہ ۹ جنوری ۱۹۶۹ء موصول ہوا، تشکر و امتنان۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اُردو کے جلیل القدر شاعر غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر ایک شان دار ادبی تقریب منعقد کر رہے ہیں۔

جب انسان شکر خداوندی کے فلسفے پر تدبر کرتا ہے تو اسے اس حقیقت کا اذعان ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں اور اہل علم و قلم کی خدمات کا اعتراف بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہے اور ایسا نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی رہی ہیں جنھوں نے اہل علم و فضل کی خدمات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا۔ میرے نزدیک یہ اعتراف فرد ہو یا قوم، اس کی وسعتِ قلب و نظر پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ثقافتی یک جہتی و ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور آدمی میں انسان کے شرف و کمال کا یقین پیدا ہوتا ہے جو خود اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ایک زبردست محرک کا کام دیتا ہے۔

بہرحال غالب ایک عبقری فن کار ہے۔ میں اس کے کمال فن کا ہمیشہ معترف رہا ہوں۔ اس کا شعر اپنی دل کش انفرادیت کے سبب نہ صرف جمالیاتی ذوق کی تشفی کا لازوال سامان ہے بلکہ تخیل افزا بھی ہے۔ اس نے اپنے اچھوتے اور دل کش انداز بیان سے اُردو نظم و نثر کی جو خدمات سر انجام دی ہیں، تاریخ ادب ان کا ہمیشہ اعتراف کرتی رہے گی۔ غالب نے اُردو کو حسن دیا، شوخی و ناز سکھایا، اسے بانکپن عطا کیا اور اب ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم بھی اس تقریب سعید پر عہد کریں کہ اُردو کے فروغ و ترقی کے لیے کوشاں رہیں گے۔

آپ نے دیارِ مغرب میں اُردو کی جو شمع روشن کی ہے، خدا کرے وہ ہمیشہ منور رہے اور اس کی ضو پاشیوں کا دائرہ وسیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے وسیع تر ہوتا چلا جائے، نیز آپ کے ارادے بلند اور ہر دم جواں رہیں، آمین۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

مخلص

سید عبداللہ

Mr. Bashir Mahmud Akhtar,
Editor, "ANJUMAN"
52.Earls Court Road,
LONDON, W.8
ENGLAND.

(۶)

ڈاکٹر سید عبداللہ
ایم اے، ایم او ایل، ڈی لٹ

وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی
شارع قائداعظم، لاہور
۴۔ اپریل ۱۹۷۴ء

عزیزم گرامی السلام علیکم۔

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۸۔ مارچ ۱۹۷۴ء موصول ہوا۔

یہ دیکھ کر مجھے ایک گونہ مسرت ہوتی ہے کہ ملت کے بعض جوانوں میں ابھی حسنِ یقین کی وہ چنگاری زندہ ہے جو شعلہ زن ہو جائے تو افرادِ ملت کے دلوں کو زندہ و بیدار کر سکتی ہے۔

میں ملت کی نشاۃ ثانیہ کے امکان کو خون تازہ میں مضمر دیکھتا ہوں۔ خون تازہ ہی سے دلوں کی سنگلاخ و مردہ زمین زندہ و زرخیز بنتی ہے۔ یہ بات بھی صرف نوجوان ہی سمجھ سکتا ہے، وہ نوجوان جس کے دل میں غیرت قومی اور حمیت دینی کی چنگاری بجھی نہ ہو۔

اقبال جس نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا، اقبال جس نے نوجوانوں کو عمل کا پیغام دیا تھا، اقبال جس نے انھیں یہ درس حیات دیا تھا کہ ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

اس کی یاد مناتے ہیں تو اغیار اور اس کی تعلیمات کو اپناتے ہیں تو اغیار اور اس کے پیغام پر عمل کرتے ہیں تو اغیار لیکن ہم ہیں کہ باندازِ عاشقانہ محوِ خیال و سخن آرائی ہی رہتے ہیں۔ اس کی وجۂ حقیقی یہ ہے کہ بحیثیت قوم کے ہم نے اقبال کو کبھی اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔ لبوں پر اس کا ذکر رہا بھی تو اس غرض سے کہ ہمیں ''اقبال آشنا'' سمجھا جائے۔

نوجوانوں کو اس وقت اقبال کی ضرورت ہے، اس اقبال کی جس نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است

اور

گر ہمی خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اقبال کو اپنے دل میں جگہ دو اور اس کی تعلیمات کو مشعل راہ بناؤ کہ اس کی مشعل تو آفتاب قرآن سے فروزاں ہے اور ساتھ ہی اپنے دل سے مارکسی وجودی تمام اقسام کو باہر پھینک دو۔ اپنے اور دوسروں کے دل میں اس حسین انقلاب کی آرزو زندہ و بیدار کرو جو محسن انسانیت اور رحمت للعالمینؐ اس دنیا میں لائے تھے۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

مخلص

سید عبداللہ

بخدمت عزیزم بشیر محمود اختر صاحب
لیکچرار، گورنمنٹ کالج، مانسہرہ (ضلع ہزارہ)

ڈاکٹر حمید اللہ[31]

(۱)

4. Rue de Tournon
750006-Paris

۱۶۔ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ[32]

مکرمی دام لطفکم

میں حجاز گیا ہوا تھا۔ واپسی پر آپ کا عنایت نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں۔ ریاض میں وزیر تعلیمات سعودی عربستان سے معلوم ہوا کہ مسجد قرطبہ میں ایک مرتبہ نماز تو سفیروں وغیرہ کی موجودگی میں پڑھائی گئی لیکن عمارت تا حال مسلمانوں کے سپرد نہیں ہوئی کیونکہ اسپینی عوام اس کے سخت خلاف ہیں۔

مجھے انجیل برناباس سے کبھی کوئی خصوصی دلچسپی نہ رہی کہ اس پر تحقیقی کام کرتا۔ میری افتادِ طبع ہمیشہ یہ رہی کہ اسلام پیشن گوئیوں پر نہیں، اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے۔ ان حالات میں مجھ سے پیش لفظ لکھوانا کارآمد نہ ہوگا۔[33]

مخلص

محمد حمید اللہ

(۲)

4. Rue de Tournon
750006-Paris

۷۔ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ[1]

محترمی سلام مسنون

مرسلہ کتاب اور عنایت نامہ ابھی ابھی ملے ہیں[2] دلی شکریہ۔

کتاب طباعت سے پہلے دیکھتا تو کچھ فنی چیزیں غور کے لیے عرض کرتا۔ اب سفر پر پابہ رکاب ہوں۔ غور سے مطالعے کا وقت نہیں، صرف سرسری ورق گردانی کی۔ کچھ تاثرات لکھتا ہوں لیکن خوف ہے کہ وہ عجلت کی وجہ سے غلط فہمی ہی پر مبنی ہوں، اس لیے پیشگی معافی بھی مانگتا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے۔

ص ۱۵ پر۔ براہ راست انگریزی سے ترجمہ ایک ام اے کے لیے بڑی بات نہیں۔ پھر انگریزی بھی تو اصل نہیں، محض ترجمہ ہے۔

ص ۶۸۔ ۶۹ وغیرہ۔ انگریزی کے ترجمے میں بعض جگہ علمی دیانت اور تطابق اصل کی جگہ احترام نبویؐ کے جذبات بے محل غالب آ گئے ہیں۔ علیہ السلام، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت وغیرہ ہم اپنی تحریر میں تو لکھیں لیکن جب وہ اصل میں نہ ہوں، ترجمے میں ان کا آنا محلِ نظر ہے۔

ص ۱۲۱ پر۔ سیل کی زبان سے ''مشرف بہ اسلام'' ہونا کتنا بے محل ہے۔ اس نے تو ''مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا'' لکھا ہو گا۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ ہم اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔

ص ۳، ۴، ۱۶، ۷۸، ۱۷ وغیرہ بے ربط abrupt نظر آتے ہیں۔ ص ۱۰۸ پر پولوس، پھر پال، ص ۱۰۹ پر پولس، یہ اختلافات اچھے نہیں لگتے۔ حوالوں کی تلاش میں بڑی زحمت ہے۔ ص ۱۶۱ پر ۱۵ کے بعد ۶، ۷، ۸ وغیرہ آئے ہیں۔ بارہا ''ایمرکانا'' لکھا گیا ہے۔ صحیح تر تلفظ ''اُمیرکانا'' ہوتا ہے۔ ایک جگہ ''اوریل'' کو اسرافیل بتایا گیا ہے۔ عام طور پر مستشرق اسرافیل کو رفائیل یا Scraphil کا معرب خیال کرتے ہیں۔

ص ۱۷۷ پر ''المقتطف'' اور ''الہلال'' کے مدیروں کی تردید میں اس پر اکتفا کی گئی ہے کہ وہ نصرانی ہیں۔ اگر وہ آپ کی تردید میں اس پر اکتفا کریں کہ ''وہ تو مسلمان ہیں'' تو ظاہر ہے کہ آپ کو تکلیف ہی ہوگی۔

انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ کتاب پڑھنے پر تاثر یہ ہوتا ہے کہ آپ ناطرف دارانہ تلاش حق میں نہیں ہیں بلکہ اپنے پیشگی طے شدہ خیالات کو منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ عبارت ایسی ہونی چاہیے کہ اس طرح کا تاثر نہ ہو۔ بھول کر بھی بے وجہ چوٹ نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے ''دودھ میں مینگنی'' پڑ جاتی ہے۔

بہر حال نقش اول اچھا ہے۔ مطالعہ جاری رکھیے اور نقش ثانی کو بہتر بنایئے۔ ایک ترکی دوست بھی برسوں سے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھ رہے ہیں۔ شاید اب ختم ہو گئی ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۳)

4. Rue de Tournon

Paris-6/France

۶۔ رجب ۱۴۰۳ھ ۳۲

چہار شنبہ

محترمی زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمہ رضیہ عباس بیگم نے آپ کی امانتی کتاب بھیجی جو آج صبح ڈاک میں پہنچ گئی ہے۔ دلی شکریہ۔ میں کوئی تحفہ آئے تو عادۃً رسید بھیجنے کا فریضہ ضرور ادا کرتا ہوں۔ اب یاد نہیں کہ سابق میں بھی یہ کتاب آئی ہو۔ آئی تھی تو رسید ضرور بھیجی ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم نہیں کہ آپ نے مریس بوکائی کی کتاب کس زبان میں پڑھی ہے۔ اصل فرانسیسی میں حدیث شریف کے متعلق جو بحث ہے، وہ قطعاً ناقابل قبول ہے۔ اس سے خطرہ یہ ہے کہ جو جاہل حصہ اول متعلق قرآن سے متاثر ہوا اور خوشی سے اچھل پڑے، وہ خیال کر سکتا ہے کہ حدیث کی تنقید بھی صحیح ہی ہوگی۔ بوکائی صاحب خاص خاص لوگوں سے کہتے ضرور ہیں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن بعض دیگر لوگوں (گارودی، مونتے ای وغیرہ) کے برخلاف تا حال پبلک میں اعلان نہیں کیا ہے، کم از کم میرے علم میں نہیں آیا۔

برناباس سے متعلق آپ کی دل چسپی سے متاثر ہوا۔ خدا آپ کو برکات سے نوازے۔ مجھے کوئی خاص چیز اس سلسلے میں بیان نہیں کرنی۔ بس، خدا کرے زور قلم اور زیادہ!

انقرہ میں بعض ترکی فاضل بھی چند سال قبل اس پر کام کر رہے تھے۔ ہاں! آپ کی نئی طباعت میں ایک انڈکس اور ایک کتابیات (ببلیا گرافی) بھی بڑھ جائیں تو اچھا ہو۔

صفحہ ۵۳ سطر نمبر ۲ میں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۱۷۴ سال بعد لکھتے ہیں۔ وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۵۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ اس میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر بوقت رفع الی السماء، یعنی ۳۳ سال حذف بھی کریں تو ۵۳۶ سال ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ پانچ یا سات سال قبل مسیح پیدا ہوئے تھے۔

صفحہ نمبر ۵۸ تا ۵۹ میں آپ لکھتے ہیں کہ Rafael فرشتہ غیر معروف ہے۔ یہ عام طور پر اسرافیل کا فرنگی مترادف ہوتا ہے۔

صفحہ نمبر ۵۹/iii بھی غور طلب ہے۔ کیوں نہ انجیل کے الفاظ کے معنے یہ لیے جائیں کہ خدا کی چیز خدا کو دو (مثلاً عبادت کرو) اور قیصر کی چیز قیصر کو دو، یعنی قوانین ملک کی بھی تعمیل کرو، زکات بھی دو۔ یوں بھی تقسیم دین و حکومت کے لیے قرآن میں طالوت اور اشموئیل ؑ کا قصہ قابل غور ہے:

قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا [۳۴]

پیغمبر کی موجودگی میں ایک الگ بادشاہ! یہ اسلام میں ممنوع نہیں ہے بلکہ ضرورت پر جائز ہے اور تقسیم فرائض، جبکہ واحد فرد سارے کام سرانجام نہ دے سکتا ہو، جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے بھی لکھا ہے:

اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ بھی ہے، اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم بھی ہے۔

قرآن اور انجیل میں اس بارے میں تضاد مجھے تو نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

فقیر حقیر

محمد حمید اللہ

(۴)

4. Rue de Tournon

Paris-6/France

۱۲۔ ربیع الانور ۱۴۰۷ھ [۳۵]

محترمی زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے عنایت نامے سے سرفراز ہوا۔ کچھ عرصہ بعد مرسلہ کتاب بھی ملی [۳۶] ممنون ہوا اور ورق گردانی پر محسوس ہوا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی معلومات مجھ سے زیادہ ہیں۔اس لیے کسی تصحیح وترمیم کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔خدا آپ کے کاموں میں برکت دے۔

مجھے بالکل علم نہیں کہ حال میں ترکی میں انجیل بارناباس کا کوئی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔(آپ نے تفصیل بھی نہ دی کہ آپ کی معلومات کا کیا ماخذ ہے) میں وہاں کے احباب سے دریافت کروں گا لیکن وہ "سکوتیہ" فرقے کے امام ہیں، جواب کبھی نہیں دیتے۔آپ چاہیں تو ذیل کے پتے سے دریافت فرمائیں، ممکن ہے جواب ملنا آپ کے نصیبے میں ہو۔

اکمل الدین احسان اوغلو

بشک طاش

Dr. Ekmeleddin Ihsanoglu

Research Centre for Islamic History

P.B. 24, Besiktas, Turkey.

میں ۸۱ سال کا ہو گیا ہوں، زیادہ خدمت نہ کر سکوں تو قصور معاف فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

حواشی وتعلیقات

۱۔ جناب بشیر محمود اختر کشمیری ہیں۔بچپن میں سیر کے لیے پاکستان آئے اور ادھر جنگ ہو کر جنگ بندی ہوئی تو سرحدیں بند ہو گئیں۔چنانچہ یہیں رہ گئے۔اُردو کے لیکچرر رہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں اُردو ایڈیٹر کے طور پر خدمات انجام دے کر ریٹائر ہوئے تھے۔یہ خطوط ان کے پاس مشاہیر کے متعدد مکتوبات میں سے منتخب پیش کش ہیں۔ان دنوں ایبٹ آباد میں سکونت پذیر ہیں۔پتا: قاضی ہاؤس، منصور ٹاؤن، ڈاک خانہ میرپور، ایبٹ آباد۔

۲۔ علامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۳ء) بیسویں صدی کے ایسے عظیم المرتبت مفکر، محقق، مؤرخ، سیرت نگار اور سوانح نگار ہیں جن کی گراں مایہ دینی اور علمی خدمات اپنی مثال آپ ہیں۔علامہ اقبال انھیں استاد الکل کہتے تھے۔ ایک بار یوں لکھا تھا کہ علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی اور کون ہے؟ مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی روایت کے مطابق ایک بار مولانا انور شاہ کاشمیری نے فرمایا تھا کہ اگر رازی وغزالی کا علم اور جنیدؒ وشبلیؒ کا تقوی کہیں ایک جگہ جمع ہو جائے تو اس مجموعے سے ایک سید سلیمان ندوی بن سکے گا۔ڈاکٹر حمید اللہ نے علامہ سلیمان ندوی کی دینی اور علمی خدمات پر یوں تبصرہ کیا تھا کہ عصر حاضر میں خاص کر ہمالیہ تلے پورے براعظم اور اُردو زبان میں مولانا سید سلیمان ندوی نے دین اور علم کی اتنی خدمت کی ہے کہ اس کی مماثل کسی اور نے شاذ ہی کی ہے۔

۳۔ مولانا عبدالمجید سالک (۱۸۹۵ء۔۱۹۵۹ء) فکاہیہ اور مزاحیہ کالم نگاری میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اُسلوب کی سادگی، شگفتگی، باوقار مزاحیہ رنگینی اور نکتہ آفرینی سب سے اہم خصوصیات سمجھی جاتی ہیں۔ اُردو ادب اور صحافت میں انھوں نے نئے اسالیب روشناس کرائے اور بلاشبہ ایک درخشندہ روایت کی بنیاد رکھی۔

۴۔ بشیر صاحب نے جو غزل اصلاح کے لیے بھیجی تھی، اس کا مطلع یوں تھا:

خیال ان دنوں سحر زا ہے کسی کا
جنوں بھی وفا آزما ہے کسی کا

اس بارے میں انھوں نے تحریر فرمایا کہ یہ مطلع میری سمجھ میں نہیں آیا۔ خدا جانے شاعر کا مطلب کیا ہے؟ دوبارہ فکر کیجیے۔

دوسرا شعر یوں تھا:

ستارو! چراغ اپنے آگے بڑھاؤ
تصور سے روشن دیا ہے کسی کا

انھوں نے دوسرا مصرع یوں بدل دیا تھا:

کہ حسرت کدہ بے ضیا ہے کسی کا

تیسرا شعر یوں تھا:

اگر تو نے بدلی نگاہیں تو کیا غم
زمانہ کہاں آشنا ہے کسی کا

پہلے مصرعے کی اصلاح یوں کی گئی تھی:

جو تو نے بدل لیں نگاہیں تو کیا غم

(یہ خط ۱۹۵۶ء کا معلوم ہوتا ہے)

۵۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق (۱۸۷۰ء۔۱۹۶۱ء) بلاشبہ اُردو کے ایک جاں باز سپاہی تھے۔ وہ نہ صرف اُردو کے تحفظ کے لیے برسرِ پیکار رہے بلکہ اس کی ترقی کے لیے بھی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے اُردو کی ترویج و ترقی کو اپنا مقصدِ حیات بنالیا تھا اور اپنے آخری لمحے تک اس کے لیے برسرِ عمل رہے۔ وہ اُردو کی خدمت کو قومی تعمیر کا ایک اہم حصہ سمجھتے تھے اور دل و جان سے اس تعمیری خدمت میں منہمک رہے۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کے نثر نگار تھے جنھوں نے ایک دل نشین اور اثر انگیز اسلوبِ تحریر اپنی یادگار چھوڑا ہے۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ایک بار لکھا تھا کہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا شمار اُردو کے بڑے سے بڑے محسنوں میں ہمیشہ کیا جائے گا۔ اُردو کی پوری تاریخ میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جس نے اتنی دشواریوں کے باوجود اتنی طویل مدت تک ہر دوسرے تعلق سے منھ موڑ کر اس خلوص، قابلیت اور پامردی سے اُردو کی اتنی گراں قدر اور مختلف النوع خدمات انجام دی ہوں جتنی کہ موصوف نے ان خدمات کا گننا بھی آسان نہیں ہے۔ (رشید احمد صدیقی، ماہ نامہ ''الشجاع''، کراچی، عبدالحق نمبر، اگست ۱۹۵۹ء، ص:۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح کرشن چندر نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا تھا کہ جو کام گاندھی جی نے ہندوستان کے لیے، مسٹر جناح نے پاکستان کے لیے کیا، وہ کام اُردو کے لیے مولوی عبدالحق نے کر دکھایا۔ بلاشبہ عبدالحق صاحب نے اپنے خون سے اس زبان کو سینچا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اُردو کے شیدائی ان کے کام کو آگے بڑھائیں گے۔ (کرشن چندر، ماہ نامہ ''الشجاع''، کراچی، عبدالحق نمبر، اگست ۱۹۵۹ء، ص: ۱۷۔)

۶۔ تلوک چند محروم (۱۹۶۶ء۔۱۹۸۷ء) کا شمار اُردو کے چند نہایت بلند پایہ شعراء اور اساتذہ فن میں کیا جا سکتا ہے۔ وہ کم عمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے اور جلد ہی ایک پختہ کلام شاعر کی حیثیت سے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ ان کا کلام ''مخزن''، ''زمانہ'' اور ''العصر'' جیسے ادبی پرچوں میں شائع ہوتا رہا۔ محروم کی شاعری کے بارے میں اکبر الٰہ آبادی نے بہت پہلے کہا تھا کہ ؎

محروم کلام مستحق داد کا ہے
لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
آموز دانش و مفید سخن کا ان ہے
دھوم میں ملک بجا ہے کی نظموں کی ان

۷۔ اپنے ایک مضمون میں محروم نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں اُردو نصاب کا بیش تر حصہ مولوی محمد حسین آزاد کے قلم سے نکلا ہوا تھا۔ پرائمری درجوں سے مجھے آزاد کے دل کش طرزِ بیان سے انس ہو گیا، کیا نثر اور کیا نظم، دونوں میں شیر و شکر کا مزا ملنے لگا۔ اسی دور میں ایک منظوم کتاب ''مجموعۂ قصص'' نام کی کہیں سے ہاتھ آ گئی۔ اس میں چند منظوم قصے سہل زبان اور خفیف بحر میں تھے۔ انھیں بار بار پڑھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود بخود زبان پر موزوں مصرعے آنے لگے اور پانچویں درجے میں پہنچا تو چھوٹی چھوٹی نظمیں غلط سلط زبان اور درست بحر میں موزوں ہونے لگیں۔ (تلوک چند محروم ''نقوش''، آپ بیتی نمبر، جون ۱۹۶۴ء۔)

۸۔ محروم لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۱ء میں جب ساتویں جماعت میں تھا، قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہوا۔ ملک بھر میں ماتمی جلسے ہوئے، ہمارے اسکول میں بھی جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے ایک مسدس کی صورت میں مرثیہ پڑھا جس کا ایک شعر اب تک حافظے میں ہے۔

فرطِ غم سے غنچے چپ ہیں.. (تلوک چند محروم: ''نقوش''، آپ بیتی نمبر، جون ۱۹۶۴ء)

۹۔ یہ بات سہواً لکھ دی گئی ہوگی۔ یہ نظم ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں لکھی گئی تھی، جب محروم ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مشن سکول میں استاد تھے۔ ملاحظہ ہو محروم کا مکتوب نمبر ۳۔

۱۰۔ ڈاکٹر سلیم فارانی سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں استاد تھے۔ بشیر محمود اختر نے ۱۹۵۶ء۔۱۹۵۷ء سیشن میں بی ایڈ کیا۔ اسی زمانے میں ان سے محروم کے اس مکتوب کا ذکر آیا کہ نظم ''نور جہاں کا مزار'' ۱۹۰۸ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں کہی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کا فرمانا تھا کہ یہ نظم ۱۹۰۸ء کے بعد کی تخلیق ہے، چنانچہ انھوں نے محروم صاحب کو پھر خط لکھا اور اس بات کی تصدیق چاہی۔ جواباً محروم صاحب کا یہ مکتوب موصول ہوا۔ ڈاکٹر سلیم فارانی کتاب ''اُردو زبان اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تعلیم'' کے مصنف تھے۔ مجلس زبان دفتری لاہور کے رکن بھی رہے۔

١١ دیوان کی جمع دواوین اور دیاوین لغت میں ملتی ہے، دوائن نہیں۔ عموماً دواوین ہی مستعمل ہے۔

١٢ اثر لکھنوی (١٨٨٥ء۔١٩٦٧ء) اُردو زبان و ادب کے ایک بڑے محسن تھے۔ بہ طور ایک شاعر انھوں نے قریباً سبھی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی اور بڑے کام یاب تجربے کیے۔ زبان و بیان کی خوبی اور نفاست پر ان کی خاص توجہ رہتی تھی، اسی لیے انھیں استادِفن کا مرتبہ حاصل تھا۔ ''فرہنگ اثر'' معروف لغت ہے۔

١٣ خواجہ محمد مسیح پال امین حزیں سیال کوٹی (١٨٨٤ء۔١٩٦٨ء) کی فکری اور اصلاحی شاعری علامہ اقبال کے پیغام اور اسلوب و آہنگ سے اس درجہ مماثلت کی حامل رہی کہ ایک زمانے میں انھیں ''چھوٹا اقبال'' کہا جاتا رہا۔ علامہ کی طرح انھوں نے بھی اپنے کلام میں حرکت و عمل اور جہدِ مسلسل کا درس دیا اور ایقان و خودی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ وہ کم و بیش ٦٥۔٦٦ برس باقاعدگی سے شعروادب کی خدمت بجالاتے رہے اور نہایت بصیرت افروز اور اثر انگیز کلام یادگار چھوڑا جس میں ابدی حقیقتوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالوحید کے تبصرے کے مطابق ان کی شاعری میں ایک دوامی رنگ پیدا ہو گیا ہے اور وہ زندگی کے ٹھوس حقائق اور عارفانہ جذبات کو جس سادگی، برجستگی اور جاذبیت کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہیں، وہ یقیناً انھی کا حصہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خاصے پُرگو واقع ہوئے ہیں۔ اُن کا کلام برسوں تک، ''ہمایوں''، ''ادبی دنیا''، ''ساقی'' اور ''محفل'' میں شائع ہوتا رہا۔ ''ہمایوں'' کی پرانی فائلوں میں ١٩٢٢ء سے ان کا کلام دیکھنے میں آیا ہے جو بہت باقاعدگی سے چھپتا رہا۔ کبھی کبھی ''پیام یار''، لکھنؤ، ماہ نامہ ''خاور'' ڈھاکہ ہفت روزہ ''شیرازہ'' لاہور اور پندرہ روزہ ''آج کل'' دہلی میں بھی کلام چھپتا تھا۔ بعد ازاں ''ساقی'' کراچی میں ہی کلام اور نثری تحریریں طبع ہوتی رہیں۔

١٤ بشیر محمود اس زمانے میں ادیب فاضل کی تیاری کر رہے تھے اور یہ امتحان انھوں نے پرائیویٹ طور پر ١٩٥٣ء میں پاس کیا، جبکہ اورینٹل کالج میں داخلہ ایم اے اُردو کے لیے ١٩٥٩ء میں ہوا تھا۔

١٥ (حضرت موسیٰؑ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھے دکھلا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ سو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے۔ پس ان کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو (تجلی نے) اس (پہاڑ) کے پرخچے اڑا دیے اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (الاعراف:١٤٣)

١٦ اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھلا دیجیے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے؟ ارشاد فرمایا: کیا تم یقین نہیں لائے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جائے۔ (البقرہ:٢٦٠)

١٧ ڈاکٹر صاحب سے مراد بشیر محمود کے نانا لیفٹیننٹ ڈاکٹر محمد دین بہادر ہیں۔ بشیر صاحب ان دنوں انھی کے پاس پسرور (ضلع سیال کوٹ) میں مقیم تھے۔ وہ ایک کام یاب میڈیکل ڈاکٹر تھے اور پسرور کی ایک معروف شخصیت۔ انھوں نے ١٩٧١ء میں ٨٧ برس کی عمر میں وفات پائی اور پسرور ہی میں مدفون ہیں۔ انھوں نے گلگت میں کئی برس تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بطور ڈاکٹر خدمات انجام دیں، جب کہ خواجہ صاحب وہاں انڈین اسسٹنٹ برائے پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے متعین تھے۔اس طرح ہم وطنی اور یک جائی کے سبب دونوں گھرانوں میں گہرے مراسم قائم رہے۔

۱۸۔ بشیر صاحب کے خالو عبدالعزیز خان مرکزی وزارتِ تعلیم میں سیکشن افسر اور افسر بہ کار خاص رہے۔۸ جنوری ۱۹۸۷ء کو ریٹائر ہوئے اور ۲۸۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو اسلام آباد میں وفات پا گئے۔۱۹۵۲ء میں وہ کراچی سے مع اہل خانہ تھوڑے دنوں کے لیے پسرور آئے تھے اور خواجہ صاحب اور اہل خانہ کی ملاقات کو سیال کوٹ بھی گئے تھے۔

۱۹۔ ہر گروہ کے پاس جو دین ہے، وہ اسی میں خوش ہے۔(المومنون:۵۳)

۲۰۔ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔اے مخاطب! کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔(الشعراء:۲۲۴۔۲۲۶)

۲۱۔ وعلم ادم الاسماء کلھا (اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو (ان کو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا۔البقرہ:۳۱)

۲۲۔ جارج برنارڈ شا (۱۸۵۶ء۔۱۹۵۰ء) ڈرامے "Back to Methuselah" کی طرف اشارہ ہے۔اس ڈرامے کے پہلے حصے In the Beginning کے پہلے ایکٹ میں جنت کا منظر پیش کیا گیا ہے کہ آدمؑ اور حوا مختلف کیفیات و امور کے لیے نئے نئے الفاظ سیکھتے جاتے ہیں۔

۲۲۔ دراصل انھیں ''تحت الشعور'' کہنا چاہیے تھا۔لاشعور Unconsious کا ترجمہ ہے۔

۲۳۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ (اور باقی میں اپنے نفس کو بالذات بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کو بری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔یوسف: ۵۳)۔''والفحشاء والمنکر''اس آیت کا حصہ نہیں بلکہ قران شریف میں ان مقامات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے: النحل:۹۰، النور:۲۱،العنکبوت:۴۵۔

۲۴۔ پروفیسر حمید احمد خان انگریزی کے مایہ ناز اور بے مثل استاد اور اُردو کے بے باک سپاہی اور نہایت بلند مرتبہ قلم کار تھے۔وہ طلبہ اور استاد کے درمیان ایک تعلق خاطر اور رشتۂ احترام کو نہایت اہم سمجھتے تھے۔ان کے ایک نام ور شاگرد ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں: عبدالعزیز خالد نے ''پروفیسر حمید احمد خاں'' کے عنوان سے جو نظم لکھی، اس کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ تو سنجیدگی کا پیکر تھا
بے ریا، با اصول، سادہ، غیور
امتزاج توکل و تمکیں
راحت و رنج میں صبور و شکور
اک ادارہ تھا اپنی ذات میں وہ
داعی و ساعی فروغ شعور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح احمد ندیم قاسمی نے ان کی وفات پر اپنے کالم میں لکھا تھا کہ پروفیسر حمید احمد خاں کی رحلت سے لاہور شرافت، شفقت، شائستگی اور ایمان داری کے محبوب پیکر سے محروم ہو گیا ہے۔ وہ ایک مانے ہوئے ماہر تعلیم تھے۔ ایک محنتی استاد تھے اور ایک باوقار وائس چانسلر تھے مگر ان کی ان سب اہم حیثیتوں پر بھی ان کی انسانیت بھاری تھی۔ وہ ان تمام تہذیبی اور مجلسی قدروں کی ایک زندہ علامت تھے جن کی توانائی سے آج کا معاشرہ محروم ہوتا جا رہا ہے۔

۲۵۔ جوش ملسیانی (۱۸۸۴ء۔۱۹۷۶ء) اُردو کے نام ور شاعر اور استادِ فن تھے۔ انھوں نے کم و بیش پون صدی تک اُردو شعر و ادب کی خدمت کا اعزاز پایا اور اپنی فنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

۲۶۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (۱۹۰۳ء۔۱۹۸۱ء) ایک استاد، مؤرخ اور محقق کے طور پر بین الاقوامی سطح پر نہایت معروف رہے۔ ان کے تحقیقی مقالات اور تاریخی کتابوں نے بڑا اعلیٰ علمی مقام حاصل کی۔ ''مقتدرہ قومی زبان'' انھی کے لیے وجود میں آیا تھا۔ وہ اس کے پہلے چیئرمین تھے۔

۲۷۔ حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء۔۱۹۸۲ء) ابوالاثر، شاعرِ اسلام، فردوسی اسلام، شاعرِ پاکستان وغیرہ خطابات سے نوازے گئے جو ان کی عمومی شہرت اور ہر دل عزیزی کا مظہر ہے۔ ان کے اشعار زبان زدِ خاص و عام رہے اور ان کی کئی نظموں اور گیتوں کا بڑا چرچا رہا۔ حفیظ نے پاکستان اور آزاد کشمیر کے قومی ترانے لکھنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ یہ اعزاز حفیظ کی حیاتِ جاوید کا ضامن بن گیا۔ انھوں نے بلاشبہ ایک بھرپور اور فعال زندگی گزاری اور کئی یادگار کارنامے سرانجام دیے۔

۲۸۔ احمد ندیم قاسمی کا کالم ''لاہور لاہور ہے''، روزنامہ ''جنگ''، راولپنڈی، ۲۶ نومبر ۱۹۷۳ء

۲۹۔ ایم اسلم (۱۸۸۵ء۔۱۹۸۳ء) اُردو کے ایک نام ور ناول نگار اور کثیر التصانیف قلم کار تھے۔ انھوں نے قریباً ستر برس تک تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا اور کم و بیش دو سو کتابیں لکھیں۔ انھوں نے بڑی شہرت پائی۔

۳۰۔ ڈاکٹر سید عبداللہ (۱۹۰۶ء۔۱۹۸۶ء) اُردو کے ایک نام ور معلم، محقق اور نقاد تھے جو زندگی بھر نفاذِ اُردو کی جنگ لڑتے رہے اور بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ نفاذ و ترویج اُردو کے لیے ان کی کاوشیں بلاشبہ ناقابلِ فراموش ہیں۔

۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۱ء تک یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں بشیر صاحب ان کے باقاعدہ شاگرد بننے سے پہلے ہی ان سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم کر چکے تھے، چنانچہ ان کے چالیس خطوط بشیر صاحب کے پاس محفوظ رہے۔

۳۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۸ء۔۲۰۰۲ء) بلاشبہ دنیائے اسلام کے ایک مایہ ناز فرزند تھے۔ وہ بیسویں صدی کے چند ممتاز ترین اسلامی محققین اور مبلغین میں سے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ انھوں نے نہایت دل نشین اور اثر انگیز سائنسی انداز میں اسلام کی حقانیت دنیا کے سامنے پیش کر دی۔

ان کا تحقیقی کام مشرق و مغرب میں بڑا وقیع اور موثر سمجھا جاتا رہا۔ وہ کم از کم سات مغربی اور مشرقی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور اُردو، عربی، انگریزی اور فرانسیسی میں تو باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم تھا۔ پروفیسر خورشید احمد کے بیان کے مطابق ڈاکٹر حمید اللہ صرف علم و تحقیق ہی کے مردِ میدان نہ تھے، دعوت و تبلیغ میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ پیرس کی جامع مسجد میں ایک مدت تک تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ انفرادی ملاقاتوں سے لے کر تبلیغی دورے اور ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسیں، ہر جگہ انھوں نے دعوت کا کام انجام دیا۔ فرانس میں وہ شمالی افریقہ کے مسلمانوں ہی کا مرجع نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے بلکہ فرانسیسی مسلمانوں کا بھی ایک حلقہ ان کے گرد قائم تھا۔ طلبہ اور نو جوانوں میں وہ بے حد مقبول تھے۔ وہ ان کو وقت دینے میں بے پناہ فراخ دل تھے۔ (پروفیسر خورشید احمد: ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مرحوم)'' قسط ۲، روزنامہ ''نوائے وقت''، راول پنڈی، ۸ جنوری ۲۰۰۳ء) ان کی وفات پر ''معارف'' اعظم گڑھ کے شذرات میں لکھا گیا تھا کہ وہ پیکر علم وفن روپوش ہو گیا جو ابرِ نیساں بن کر پون صدی سے موتی لٹا رہا تھا، حکمت و معرفت کا وہ مجمع البحرین دنیا سے رخصت ہو گیا جو مشرق کے علمی مے خانوں سے بھی سرشار تھا اور مغربی میکدۂ حکمت سے بھی مخمور تھا۔ وہ ہستی نہیں رہی جس کے فضل و کمال کا سکہ بلادِ مشرق اور عالمِ اسلام ہی میں نہیں، یورپ و امریکہ میں بھی چل رہا تھا...... (ان) کی پاکیزہ زندگی اور مطہر شخصیت قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھی اور جو اس عہد کے ابن سعد و طبری، بلاذری و یعقوبی، ابن اسحاق و ابن ہشام، ابن اثیر و ابو الفداء اور شمس الائمہ سرخسی اور علامہ ابن عابدین تھے۔ ان کی موت سے عالم اسلام ویران ہو گیا، دنیائے علم میں خاک اڑنے لگی، اہل علم، اصحاب نظر اور محققین سراپا درد و حسرت بنے یہ کہہ رہے ہیں۔

آفاق ہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، اما تو چیزے دیگری

(ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، شذرات، مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۱۶۲۔۱۶۳)

روزنامہ ''جنگ'' کے ادارتی نوٹ میں یہ پیرا بھی قابل ملاحظہ ہے:

انھوں نے اسلام کی حقانیت کو جدید عصری تقاضوں کے مطابق سائنٹیفک انداز میں پیش کیا۔ یورپ کے علمی حلقے بھی ان کی صلاحیتوں اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ان کی خدمات کے معترف رہے۔ انھوں نے اسلام کو ایک نظریاتی اور علمی قوت کے طور پر پیش کیا۔ یورپ میں ہزاروں افراد نے ان کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور تبلیغی حلقے قائم کیے۔

(روزنامہ ''جنگ'' راول پنڈی، ادارتی نوٹ، ۲۰ دسمبر ۲۰۰۲ء)

۳۲۔ مطابق دسمبر ۱۹۷۴ء۔ بشیر صاحب ان دنوں گورنمنٹ کالج مانسہرہ میں تھے۔

۳۳۔ کتاب ''انجیل برناباس کا مطالعہ''۔ ترجمہ بشیر محمود اختر۔

۳۴۔ مطابق اپریل ۱۹۸۳ء۔

۳۵۔ پروفیسر رضیہ عباس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں بشیر محمود کی ساتھی تھیں۔ وہ چند روز کے لیے پیرس جا رہی تھیں تو ان کے ہاتھ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے لیے اپنی کتاب "A Study of the Gospel of Barnabas" بھجوائی تھی۔

۳۶۔ البقرہ: ۲۴۶۔

۳۷۔ مطابق نومبر ۱۹۸۶ء۔

۳۸۔ یہ کتاب تھی ''مطالعۂ بائبل و قرآن''۔

© rasailojaraid.com